لوتمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے	آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے

Digitized by Khilafat Library

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء نمبر ۷

مطابق رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ

چندہ سالانہ

فہرست مضامین

وفاتِ مسیح ۲۴۵ - ۲۹۶

فہرست کتب ٹائٹل صفحہ ب - ج

فہرست کتب

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین سے نقد قیمت بھیجکر یا بذریعہ وی پی طلب کیجا سکتی ہیں

الوہیت ا ر اوامر نواہی ۹ ر اظہار حق ۵ ر الحق لدھیانہ ۶ ر الحق دہلی ۸ ر الہدے ۶ ر اربعین ۲ ر
ابطال الوہیت مسیح ا ر اسلامی اصول کی فلاسفی ۵ ر احمدی کا من ا ر التبیان ۲ ر اجرو میہ ۰ ر
اعجاز احمدی ۳ ر اسلام (انگریزی) ۱۰ ر براہین احمدیہ مکمل ۵ براہین احمدیہ حصہ اوّل ۵ ر
براہین احمدیہ حصہ دوم ۴ ر براہین احمدیہ حصہ سوم ۱۰ ر برکات الدعا ۲ ر باغ بہار ا ر
پنج ارکان اسلام ا ر پارہ پنجم بخاری شریف ۸ ر پارہ اوّل مترجم ۳ ر پارہ عم مترجم ۳ ر
پارہ اول و دوم بلا ترجمہ بطرز یسرنا القرآن ۲ ر پارہ اوّل بلا ترجمہ بطرز یسرنا القرآن ا ر
پارہ دوم بلا ترجمہ بطرز یسرنا القرآن ا ر پارہ سوم بلا ترجمہ بطرز یسرنا القرآن ا ر
تذکرۃ الشہادتین فارسی ۳ ر تقریروں کا مجموعہ ۳ ر تقریرین ۲ ر تحفہ قیصریہ ۲ ر تحفہ ندوہ ۰ ر
تحفہ سالانہ ۸ ر تفسیر القرآن مکمل (مصنفہ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب) ۸ ر تفسیر سورہ بقرہ ۳ ر
تفسیر پارہ اول شیخ یعقوب علیصاحب عہ تفسیر پارہ دوم۔ شیخ یعقوب علیصاحب ۴ ر
تفسیر پارہ ۲۳ و ۲۴ ۔ شیخ یعقوب علیصاحب عہ ر تفسیر پارہ ۲۵ شیخ یعقوب علیصاحب عہ ر
تفسیر پارہ ۲۶ شیخ یعقوب علیصاحب ۔ ٹیچنگز آف اسلام (انگریزی) ۴ ر ٹیچنگز آف
اسلام ہے جلد ۱۴ ر جنگ مقدس ۶ ر جام شہادت ۰ ر حمامۃ البشریٰ ۸ ر حجۃ الاسلام ا ر
حضرت اقدس کا ریویو ۔ ر حقیقتِ نماز ۷ ر حیرت کی حیرانی حصہ اوّل ۵ ر حیرت کی حیرانی حصہ
دوم ۴ ر خطبہ الہامیہ عہ ر خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم ۴ ر خزینۃ المعارف حصہ سوم
و چہارم ۸ ر دعوت دہلی ۱ ر خلافت راشدہ ۵ حصہ دوم ۴ ر دینیات کا پہلا رسالہ ا ر
دعوت ندوہ ۱۰ ر دعوت الحق ۔ ر دافع البلاء ا ر راز حقیقت ا ر ردّ چکڑالوی ۵ ر
رسول اللہ کے احکام کی تعمیل ۲ ر سرمہ چشم آریہ ۱۲ ر سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۲ ر
سناتن دھرم ۰ ر سیرۃ ابدال ۱ ر ستارہ قیصرہ ر سلاسل الفضائل ۱۰ ر سلاسل التعلیم ۲ ر سچائی کا اظہار
سخن معقول ۔ ر ستیارتھ پرکاش ۴ ر صیان القرآن ۳ ر صبر جمیل ۰ ر قرۃ الامام ۱ ر فضلِ حق ا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

وفاتِ مسیحؑ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوئ مسیحیت کے متعلق تحقیقات کے راستہ میں سب سے پہلا سوال وفاتِ مسیحؑ کا ہے کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جاوے کہ پہلا مسیحؑ فوت ہو چکا ہے اسوقت تک خواہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے کی صداقت پر ہزار سورج چڑھا دیا جاوے طبیعت میں خلجان ضرور رہتا ہے۔ جس منصب کا حضرت مرزا صاحب کو دعویٰ ہے یعنی مسیحیت اسکی کرسی کو جبتک خالی نہ کیا جاوے مرزا صاحب کی سچائی کے متعلق طبیعت اطمینان ہرگز نہیں پکڑ سکتی لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ سب سے پہلے اس شک کو دور کیا جاوے۔ سو واضح ہو کہ قرآن شریف اور احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ آخری زمانہ میں جبکہ مسلمان نہایت گری ہوئی حالت میں ہونگے اور لامذہبی ہر طرف اپنا دامن پھیلا رہی ہوگی اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایک مسیحؑ بھیجے گا جو کہ نہ صرف مسلمانوں کے اندر اصلاح کا کام کریگا بلکہ غیر مذاہب کے مقابلہ میں بھی کھڑا ہوگا اور دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ کے ذریعہ اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر ثابت کر دیگا۔ حضرت مرزا صاحب کے مخالف علماء کا یہ مذہب ہے کہ موعود مسیح عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جو آسمان پر زندہ بجسم عنصری موجود ہیں اور آخری زمانہ میں زمین پر نازل ہونگے مگر حضرت مرزا صاحب کی یہ تعلیم ہے کہ مسیحؑ ناصری فوت ہو چکے ہیں اسلیئے آنیوالا مسیحؑ کوئی اور شخص ہونا چاہیئے۔ ہر چند کہ حضرت مرزا صاحب کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ وفات مسیحؑ ثابت کرتے بلکہ مرزا صاحب کے مخالفین کا یہ فرض ہے کہ وہ قرآن اور احادیث صحیحہ سے حضرت مسیحؑ کی حیات ثابت کریں کیونکہ حیات کا دعویٰ ایک ایسا دعویٰ ہے جو بغیر کسی بیّن دلیل کے ہرگز مانا نہیں جا سکتا بمقابلہ موت کے دعوے کے جسکے لئے کسی بیرونی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مگر باوجود اسکے

حضرت مرزا صاحب نے ہمدردی خلق اللہ کی نیّت سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور پھر اس خیر و خوبی سے اسکو نبا ہا کہ آج ادنٰی تو ادنٰی بڑے بڑے غیر احمدی علماء بھی اس مسئلہ پر کسی احمدی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے سخت گھبراتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو بات کرنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے کیا تعلق ہے حالانکہ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا انسان بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق تحقیقات کے راستہ میں وفات حیات مسیح کا مسئلہ سب سے پہلا سوال ہے جو حل ہونا چاہیے ؎

باب اوّل

(بحث مسئلہ رفع الی السّماء)

اس مختصر تمہید کے بعد میں چند موٹی موٹی عام فہم باتیں عرض کیے دیتا ہوں جن سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری آسمان پر بجسم عنصری نہیں اُٹھائے گئے بلکہ انہوں نے زمین پر ہی اپنی زندگی کے دن کاٹے اور زمین پر ہی فوت ہوئے ؎

انسان کی زندگی اور موت دنیا کے ساتھ وابستہ ہے

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ (سورہ اعراف رکوع ۲) "تم اپنے زندگی کے دن زمین پر ہی کاٹو گے اور زمین پر ہی تمہیں موت آئیگی"۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام انسانوں کے لیئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ زمین پر ہی زندگی کے دن گذاریں گے اور زندگی کے دن گذارنے کے بعد جب موت کا وقت آئیگا تو موت بھی زمین پر ہی ہوگی۔ دنیا میں انسان پر دو ہی زمانے آتے ہیں ایک زندگی کا زمانہ اور ایک موت کا۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اب سوال ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام باوجود ایک انسان ہونے کے کس طرح بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے کیا مسیح کو زندہ آسمان پر لیجاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے اس فیصلہ کو بھول گیا کہ انسان اپنے زندگی کے دن زمین پر ہی کاٹیگا؟ ؎

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا (سورہ مرسلات رکوع اول) "ہم نے زمین کو ایسا بنایا ہے کہ وہ انسان کو اپنی طرف کھینچنے والی اور اسکو

اپنے پاس روکنے والی ہے خواہ انسان مردہ ہو یا زندہ ہو۔ اس آیت نے گویا پہلی آیت کی تشریح کردی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ زندوں اور مردوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہے۔ یہ آیت بھی مسیحؑ کے آسمانپر جانیکو غلط ثابت کررہی ہے*

نبی کریم اپنی بشریّت کو آسمانپر زندہ بجسم عنصری جانیکی راہ میں روک بیان کرتے ہیں

پھر اس سے بھی بڑھکر لیجیئے۔ کفار نے نبی کریمؐ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو آسمانپر چڑھکر ہم کو دکھاؤ پھر ہم مان لینگے تو اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپکو حکم دیا کہ تو ان کو جواب دے کہ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰) پاک ہے میرا ربّ میں تو صرف انسان رسول ہوں۔ اس آیت کریمہ میں نبی کریمؐ نے صاف فرمایا ہے کہ ایک بشر کا زندہ آسمان پر جانا خدا کی سنّت اور وعدہ کے خلاف ہے اور خدا اس بات سے پاک ہے کہ خود اپنے فیصلوں کو توڑے۔ غور کا مقام ہے کہ کفار عرب نبی کریم جیسے عظیم الشان انسان سے آسمان پر جانیکا معجزہ طلب کرتے ہیں اور معجزہ دیکھنے پر ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن نبی کریم صاف جواب دیتے ہیں کہ میں تو صرف ایک بشر ہوں جو آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے ایک عیسائی اگر اس بات کے کہنے کی جرأت کرے تو کرے کہ مسیح زندہ آسمانپر چلا گیا مگر ایک مسلمان کہلانیوالا انسان جو مسیحؑ کو ایک انسان اور نبی کریمؐ سے درجہ میں بہت چھوٹا انسان یقین کرتا ہے وہ ایک لحظہ کیلیئے بھی اس بات کو قبول نہیں کرسکتا کہ مسیح جسم عنصری کے ساتھ آسمانپر جا بیٹھا۔ غضب ہے نبی کریم تو کفار کو یہ جواب دیتے ہیں کہ میں صرف ایک انسان ہوں اور انسان کا آسمان پر زندہ چلے جانا خلاف سنّت و فیصلہ الٰہی ہے مگر مسلمان ہیں کہ مسیحؑ کو انسان مانتے ہوئے پھر بھی اسکو آسمانپر بٹھا رہے ہیں۔ کیا اگر واقعی مسیحؑ آسمان پر زندہ بیٹھا ہے تو وہ اس آیت کی رو سے انسان سے کوئی بالا ہستی نہیں ثابت ہوتا۔ ایک عیسائی مسلمانوں کو یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن میں تمہارے نبی اپنے آسمانپر زندہ جانیکے راستہ میں صرف اپنی بشریت کو ہی بطور روک کے بیان کرتے ہیں تو کیا مسیحؑ جو تمہارے نزدیک آسمان پر زندہ بجسم عنصری جا پہنچا وہ تمہارے نبی سے افضل بلکہ انسان سے کوئی بالا ہستی نہ ثابت ہوا۔ اس کا جواب مسلمانوں کے پاس سوائے شرمندگی کے اور کیا ہے افسوس

مسلمانوں نے خود اسلام کے اندر ارتداد کا رستہ کھولا اور اپنے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر خود اپنے ہاتھ سے تبر چلایا کسی نے سچ کہا ہے :-

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ٭ کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

حقیقت معراج

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں نبی کریمؐ کے آسمان پر زندہ بجسم عنصری جانیکو بوجہ آپ کے ایک بشر ہونیکے ممتنع قرار دیتا ہے تو پھر معراج کے موقع پر نبی کریمؐ کس طرح آسمان پر جا پہنچے۔ اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ معراج نبی کریمؐ کا جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ وہ ایک نہایت لطیف کشف تھا جو نبی کریمؐ کو دکھایا گیا اور جس طرح خواب میں بعض وقت انسان باوجود اپنی چارپائی پر لیٹا ہونیکے دور دراز ملکوں کی سیر کر لیتا ہے اسی طرح یہاں ہوا۔ خود سلف صالحین میں ایک بڑا گروہ اسی طرف گیا ہے کہ معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ وہ ایک لطیف کشف تھا جس میں نبی کریمؐ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی ہاں بعض نے معراج جسم عنصری کے ساتھ بھی سمجھا ہے مگر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ اس خیال کی بڑی صفائی کے ساتھ تردید کرتی ہیں۔ اول تو مندرجہ بالا آیت ہی (هل كنت الا بشرًا رسولا) اس فاسد خیال کو دھکے دے رہی ہے۔ اگر بجسم عنصری نبی کریمؐ آسمان پر جا سکتے تھے تو آپ کیوں کفار مکہ کو نفی میں جواب دیکر اسلام لانے سے محروم کر دیا۔ اگر معراج جسم عنصری کے ساتھ ہوا تھا تو معمولی بات تھی کفار کے مطالبہ پر انکو یہ معجزہ دکھا دیا جاتا مگر آنحضرتؐ نے بوجہ بشر ہونے کے اپنا آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ جانا ممتنع قرار دیا پس اس سے ظاہر ہے کہ معراج بجسم عنصری نہیں ہوا۔ علاوہ اسکے قرآن شریف میں معراج کو رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فتنة للناس (سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶) پھر احادیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ معراج کی رات آنحضرتؐ کا جسم مبارک زمین سے جدا نہیں ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج بجسم عنصری نہ تھا بلکہ آپکو کوئی اور لطیف جسم عطا کیا گیا تھا جیسا کہ کشف میں ہوتا ہے۔ پھر بخاری جو احادیث کی کتابوں میں مسلمہ طور پر صحت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے اسمیں لکھا ہے کہ ثم استیقظ یعنی نبی کریمؐ معراج میں

یہ سب نظارے دیکھکر پھر بیدار ہو گئے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معراج صرف ایک نہایت لطیف رؤیا تھا اور بس ؁

رفع الی اللہ کے صحیح معنی

غرض قرآن شریف اس بات کا ہرگز متحمل نہیں ہے کہ کوئی بشر جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ چلا جاوے بلکہ صاف الفاظ میں اسے ممتنع قرار دیتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مگر حضرت مرزا صاحب کے مخالفین قرآن شریف کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا اور وہ یہ ہے وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم ..... وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ (سورۃ النساء رکوع ۲۲) "یہود نے نہ تو مسیحؑ کو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکا کر مارا بلکہ اصل میں واقعہ یہ ہوا کہ مسیحؑ ان کی نظروں میں مشابہ بالمقتول و مصلوب بنا دیا گیا..... مگر وہ ہرگز ہرگز مسیحؑ کے مارنے پر قادر نہیں ہوئے بلکہ مسیحؑ کا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رفع کیا" ✣ اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف اُٹھا لیا لیکن اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جاوے تو اس استدلال کی کمزوری

حاشیہ

ماصلبوہ اور شبہ لھم کے معنی اور واقعہ صلیب کے اصل حالات

✣ ہم نے جو ترجمہ اس آیت کا کیا ہے اسکو دیکھکر مولوی طبع لوگ چونک پڑینگے۔ کیونکہ ہم نے لکھا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر لٹکائے تو گئے مگر صلیب پر مرے نہیں۔ لیکن ہمارے مخالف مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیحؑ صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے بلکہ انکی جگہ کوئی اور ایسا آدمی چڑھا دیا گیا جو انکے ساتھ کامل مشابہت رکھتا تھا اور خود انکو خدا نے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اس بحث کو مسیحؑ کی وفات حیات سے تو قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ صلیب پر چڑھے یا نہ چڑھے اس سے ہم کو کام نہیں بلکہ ہماری غرض تو صرف اس سے ہے کہ وہ آسمان کی طرف زندہ اُٹھائے گئے یا نہیں لیکن پھر بھی چونکہ بعض مولوی خواہ مخواہ اس بحث کو درمیان میں لاتے ہیں اسلئے اسپر کچھ لکھنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ سو واضح ہو کہ صلب کے معنی سمجھنے میں ہمارے مولویوں نے سخت دھوکا کھایا ہے اور وہ یہ کہ وہ اسکے معنی محض صلیب پر چڑھانے کے کرتے ہیں حالانکہ یہ معنی درست نہیں ہیں۔ لغت کی کتابوں میں لکھا ہے القتلۃ المعروفۃ (ملاحظہ ہو لسان العرب تاج العروس) یعنی صلیب دینے کے معنی ہیں معروف طریقہ پر

حیات
صاف عیاں ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا بیشک رفع ہوا۔ قرآن کریم کے الفاظ صاف ہیں اور انسے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر سوال تو یہ ہے کہ کس طرف رفع ہوا۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔ بل رفعہ اللہ الیہ "بلکہ اللہ نے مسیح کو اپنی طرف اٹھا لیا"۔ اب اگر خدا کی طرف اٹھائے جانے کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کیلئے بجا دیں تو سوال ہوتا ہے کہ کیا خدا آسمان تک محدود ہے؟ کیا وہ زمین پر موجود نہیں ہے؟ کیا اسلامی تعلیم کے رو سے وہ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔ تو پھر ان الفاظ کے کیا معنی ہوئے کہ خدا نے مسیحؑ کا اپنی طرف رفع کیا؟ اس سوال کا تسلی بخش جواب

بقیہ حاشیہ: مار دینا یعنی صلیب پر لٹکا کر۔ خود لفظ صلیب کی روٹ میں مارنے کا مفہوم موجود ہے۔ کیونکہ صلیب کے اصل معنی ہیں ہڈی کا گدا (ملاحظہ ہو تاج العروس و لسان العرب) اسلئے صلب کے معنی یہ ہوئے کہ کسی آدمی کو اس طرح مارنا کہ اس کا جسم سڑ جاوے اور اس کی ہڈیوں سے گودا بہ نکلے اور یہی صلیبی موت ہے کیونکہ صلیب کی لکڑی سے مجرم کو میخوں سے لٹکا دیا جاتا تھا جہاں وہ بھوک تکان وغیرہ سے لٹکا لٹکا مر جاتا تھا اور اس کا جسم سڑ جاتا تھا اسلئے ما صلبوہ کے یہ معنی کرنا کہ انہوں نے مسیح کو صلیب کی لکڑی پر لٹکایا تک نہیں صریحاً غلط ہے۔ ہمارے مخالف بعض وقت کہتے ہیں کہ اگر یہ معنی درست ہیں تو ما قتلوہ کا لفظ زائد کرنے کی کیا ضرورت تھی صرف ما صلبوہ کہنا کافی تھا لیکن یہ بھی انکی تاریخی ناواقفیت سے اعتراض پیدا ہوا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے مخالفوں نے صرف یہی سمجھ رکھا ہے کہ یہود کا صرف یہی دعویٰ تھا کہ ہم نے مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا ہے جس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ یہود نے مسیحؑ کو ہرگز نہیں مارا بلکہ صلیب پر چڑھایا تک نہیں مگر یہ غلط ہے۔ یہود میں اس عقیدہ کے متعلق دو گروہ ہیں ایک گروہ کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے پہلے مسیحؑ کو قتل کر دیا پھر صلیب پر ذلت کیلئے مسیحؑ کا جسم لٹکا دیا کیونکہ انکے ہاں یہ بھی ایک طریقہ ہوتا تھا کہ مجرم مقتول کا جسم عبرت کے لئے کسی جگہ لٹکا دیتے تھے۔ دوسرا گروہ انہیں یہ کہتا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر لٹکا کر مارا گیا اور صلیب پر ہی اسکی موت ہوئی ان دونوں کے رد میں خدا فرماتا ہے کہ نہ تو مسیحؑ کو یہود نے قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکا کر مارا۔ قرآن شریف میں یہود کے دونوں گروہوں کے دعووں کو صرف قتل کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ قتل کا لفظ ایک تو عام معنوں میں آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح مار ڈالنا اور ایک خصوصیت کے ساتھ تلوار وغیرہ کے ساتھ مارنے پر بولا جاتا ہے (ملاحظہ ہو تاج العروس و لسان العرب) جہاں یہود کا دعویٰ بیان ہوا ہے وہاں قتل کو عام معنوں میں رکھا ہے جو مار دینے کے سب طریقوں پر حاوی ہے

پانے کے لیئے ہم کو چاہیئے کہ آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالیں۔ یہود کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے مسیح کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ نعوذ باللہ مسیح ایک لعنتی موت مرا کیونکہ بموجب توریت کی تعلیم کے صلیب پر مرنا ایک ملعون موت ہے٭ (استثنا باب ۲۱ آیت ۲۳)۔ اس طرح گویا یہود مسیح کا کاذب ہونا ثابت کرتے تھے انکے اس دعوے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسیح ہرگز صلیب پر نہیں مرا بلکہ اسکا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رفع کیا یعنی تم نے کوشش کی تھی کہ مسیح کو ملعون موت کا شکار بناؤ مگر تمھاری کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے ناکام کیا بلکہ بجائے اسکے کہ مسیح کسی ملعون موت کے

بقیہ حاشیہ۔ لیکن جواب دیتے ہوئے چونکہ تصریح کی ضرورت تھی اسلیئے قتل کے مقابل میں صلیب کا لفظ رکھکر قتل کو اسکے خاص معنوں میں محدود کر دیا ہے ٭

یہ اعتراض کہ خدا کا مسیح کو یہ کہنا کہ کففت بنی اسرائیل عنک (سورۃ مائدۃ رکوع ۱۵) ظاہر کرتا ہے کہ یہود مسیح کو صلیب پر لٹکانے ہی پر قادر نہیں ہو سکے ایک نہایت بودہ اعتراض ہے جو محض قلت تدبر سے پیدا ہوا ہے۔ کففت بنی اسرائیل عنک کے صرف یہ معنی ہیں کہ خدا نے مسیح کو انکے شر سے محفوظ رکھا اور یہ جو انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے مار ڈالیں اسمیں انکو نامراد کیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہود کوئی چھوٹی موٹی تکلیف بھی مسیح کو نہیں پہنچا سکے ایک ابلہانہ بات ہے جسکی نہ تو الفاظ اجازت دیتے ہیں اور نہ ہی تاریخ سے کوئی شہادت ملتی ہے۔ علاوہ اسکے نبی کریم سے بھی خدا کا وعدہ تھا کہ واللہ یعصمک من الناس (سورۃ مائدۃ رکوع ۱۰) یعنی اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ لیکن باوجود اسکے آپکو کفار کے ہاتھ پر اتنی تکالیف پہنچیں کہ بقول آپکے اسقدر تکالیف کسی کو نہیں پہنچیں۔ آپکے دو دانت ایک لڑائی کے موقعہ پر ٹوٹ گئے اور زخم بھی آئے تو کیا خدا کا وعدہ غلط نکلا۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا کففت بنی اسرائیل عنک کے صرف یہی معنی ہیں کہ یہود کی خفیہ شرارتوں سے مسیح کو محفوظ رکھا اور یہ جو انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے صلیب پر مار کر ایک ملعون موت مرنے والا ثابت کریں اس ارادہ میں انکو نامراد کیا ٭

پھر یہود اور عیسائیوں کی متفقہ شہادت موجود ہے کہ بہر حال مسیح صلیب پر لٹکایا گیا اور یہی دو قومیں ہیں جو اس معاملہ میں اصل شاہد ہو سکتی ہیں آگے اس بات کے فیصلہ میں کہ مسیح صلیب پر مرا یا نہیں قرآن شریف کی صاف گواہی موجود ہے کہ وہ نہیں مرا اور خود انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ

٭ توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائیگا۔ اور وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے ٭

نیچے آتا اللہ نے اسکو بلند کیا اور اس کا روحانی رفع ہُوا۔ ایسا روحانی رفع اللہ تعالیٰ کے تمام مقربین کا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (سورۃ فجر رکوع ۱) "اے اطمینان یافتہ نفس لوٹ آ اپنے رب کی طرف اس حالت میں کہ تُو راضی ہو اور اللہ کو بھی راضی کر رہا ہو اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا" اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ تمام مقربین بارگاہ الٰہی کا اللہ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ پھر رفع کے معنی اس آیت سے بھی بالکل واضح ہو جاتے ہیں کہ ولو شئنا لرفعناہ بھا

بقیہ حاشیہ۔ صلیب پر نہیں مرا مگر یہ اسکے ثبوت کا موقع نہیں ہے صرف اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیحؑ کا صلیب پر صرف دو چار گھنٹے رہنا۔ صلیب پر اُترنے کے بعد اسکی حسب دستور ہڈیاں نہ توڑی جانا اور پھر روئے زمین پر سخت اندھیرا چھا جانا اور خطرناک زلزلہ کا آنا۔ پلاطوس کی بیوی کی خواب کہ مسیحؑ بے گناہ ہے اسے چھوڑ دیا جاوے اگلا دن سبت کا دن ہونا جب کہ شریعت کی رو سے صلیب پر کوئی مجرم نہ رکھا جا سکتا تھا۔ پلاطوس کی مسیحؑ کو چھوڑ دینے کی خواہش۔ خود مسیحؑ کی عاجزی اور تضرع سے خدا کے حضور دعائیں کرنا کہ یہ پیالہ اس سے ٹل جاوے۔ مسیحؑ کا اپنا حال یونسؑ نبی کے ساتھ مشابہ قرار دینا جو تین دن مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہکر آخر زندہ ہی باہر نکل آیا۔ مسیحؑ کے دوستوں کی کوششیں کہ مسیحؑ کسی طرح بچ جاوے۔ انکا اسے صلیب پر سے اُتارنے کے بعد اسکے جسم کو مانگنا اور اسے ایک ہوادار غار میں رکھنا۔ اسکے جسم سے برچھی مارنے پر خون کا نکلنا۔ اسکا واقعۂ صلیب کے بعد خفیہ طور پر اِدھر اُدھر جاتے دیکھا جانا اور پھر ایک مرہم کا ہونا جو صدیوں سے طب کی کتابوں میں مرہم عیسیٰ کے نام سے مشہور چلی آتی ہے اور جو اسکے زخموں کو لگائی گئی تھی یہ سب باتیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ انجیل کی رو سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مسیحؑ صلیب پر مرا ہو بلکہ وہ زخموں کی شدید تکلیف وغیرہ کی وجہ سے ایک گہری غشی کیحالت میں تھا لیکن جب اسکی اچھی طرح خبر گیری کی گئی تو وہ صحت یاب ہو گیا۔

آیت زیر بحث میں جو شبہ لھم کے الفاظ ہیں انکے یہ معنی کرنا کہ کوئی اور شخص مسیحؑ کے ہمشکل بنایا گیا تھا بالکل غلط ہے اوّل تو یہ صریح ظلم ہے کہ ایک کی جگہ دوسرے کو صلیب پر چڑھا دیا جاوے٭ دوسرے یہ کہ ان الفاظ کے کسی قاعدہ کے ماتحت یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ مسیحؑ کی مثل کوئی اور شخص بنا دیا گیا کیونکہ

٭ علاوہ اس کے یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ جب خدا نے مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا تو مسیحؑ کی مثل بنا کر یہود کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت تھی کیا خدا کو یہ ڈر تھا کہ یہود مسیحؑ کی تلاش میں آسمان تک پہنچ جائیں گے۔ منہ

ولٰکنّہ اخلد الی الارض (سورۃ اعراف رکوع ۲۲) خدا ایک شخص کی نسبت فرماتا ہے کہ "اگر ہم چاہتے تو اپنے نشانوں کے ذریعہ اس کا رفع کرتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔" اس جگہ مسلّمہ طور پر رفع سے رفع روحانی مراد لیا جاتا ہے نہ کہ جسمانی حالانکہ یہاں تو زمین کا مخالف قرینہ بھی موجود ہے تو پھر کیوں خواہ مخواہ مسیحؑ کے بارہ میں رفع سے رفع جسمانی مراد لیا جاوے۔ خاصکر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کا یہ اعتراض تھا کہ مسیحؑ صلیبی یعنی لعنتی موت مرا لہٰذا اس کا رفع روحانی نہیں ہوا تو اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں مسیحؑ صلیب پر نہیں مرا بلکہ اس کا روحانی رفع ہوا۔ اگر اس جگہ رفع سے جسمانی رفع مراد لیا جاوے تو آیت کے کچھ معنی ہی نہیں بنتے۔ یہود اعتراض کرتے ہیں کہ مسیحؑ مصلوب ہونیکی وجہ سے روحانی رفع سے محروم رہا بلکہ ایک لعنتی موت مرا۔ اس پر انکو جواب ملتا ہے کہ نہیں مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ سوال کچھ ہے اور جواب کچھ۔ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا انسان جواب دیتے ہوئے یہ سوچ لیتا ہے کہ میں اصل اعتراض کا جواب دے رہا ہوں یا کوئی غیر متعلق بات کر رہا ہوں مگر نعوذ باللہ خدا عجیب ہے کہ اعتراض تو رفع روحانی کی نسبت ہو اور جواب میں رفع جسمانی پیش کیا جا رہا ہے پس یہ یقینی ہے کہ رفع الی اللہ سے مراد رفع

بقیہ حاشیہ - شُبِّہَ کا لفظ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور ضمیر واحد غائب مستتر ہے٭ معنی اس کے یہ ہیں کہ "مشابہ بنا دیا گیا" اور یہی معنی ہمارے مخالف بھی قبول کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کون مشابہ بنا دیا گیا ہے اور کس کے مشابہ بنا دیا گیا۔ ہمارے مخالف مولوی اس موقعہ پر ایک بیرونی شخص کو خواہ مخواہ درمیان میں لے آتے ہیں حالانکہ کسی بیرونی شخص کا اس آیت میں کیا اسکے قریب بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مشابہ بنایا گیا اور جسکے مشابہ بنایا گیا۔ ان دونوں کا آیت کے قریب ذکر ہو جانا چاہیے کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی چیز قرآن شریف کے اندر ڈالدے یہ تو یہودیوں والی تحریف ہو جائیگی آیت میں صرف مسیحؑ کا ذکر ہے یا اس بات کا کہ یہود نے دعویٰ کیا کہ مسیحؑ مقتول و مصلوب ہو گیا۔ تو ضرور ہے کہ انہی میں سے کوئی مشابہ بنا اور انہی میں سے کسی کے مشابہ بنا۔ اب غور کیجئے آیت کے معنی کیسے صاف ہو گئے وما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبّہ لهم یعنی یہود نے مسیحؑ کو مقتول اور مصلوب ہرگز نہیں کیا لیکن مسیحؑ ان کی نظروں میں مشابہ بالمقتول و مصلوب ضرور ہو گیا اور یہی ہے

٭ یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ شُبِّہَ میں کوئی ضمیر مستتر نہ مانی جاوے بلکہ لهم کو ہی نائب فاعل سمجھا جاوے اور ولٰکن شبّہ لهم کے اسکے معنی کیے جاویں کہ یہود کو شبہ میں ڈالدیا گیا یا یہ کہ معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ منہ

روحانی ہے جو تمام مقربین الٰہی کا ہوتا ہے نہ کہ رفع جسمانی۔ مختصراً مَیں دلائل کو دُہرا دیتا ہوں تاکہ آپکے ذہن نشین ہو جائیں اوّل یہ کہ اللہ کی ذات صرف آسمان کے اندر محدود نہیں بلکہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے پس اللہ کی طرف رفع ہونے کے سوا رفع روحانی کے اور کوئی معنی نہیں لیئے جا سکتے۔ دوسرے یہ کہ یہود کا اعتراض رفع روحانی کے متعلق تھا اسکے جواب میں رفع جسمانی پیش کرنا بے سود ہے اور خدا جیسی حکیم ہستی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ اگر اللہ کی طرف اُٹھائے جانے کے معنی جسم عنصری کے ساتھ آسمان کی طرف اُٹھائے جانیکے ہیں تو پھر ماننا پڑیگا کہ تمام مقربین الٰہی زندہ آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں رفع کے معنی رفع روحانی کے آئے ہیں جیسا کہ بلعم باعور کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض یعنی اگر ہم چاہتے تو ان نشانوں کے ذریعہ اس کا رفع کرتے لیکن وہ تو زمین کیطرف ہی جھک گیا ایک اور آیت ہے جو رفع کے معنوں کو بالکل واضح کر دیتی ہے اور وہ یہ ہے یا عیسیٰ

بقیہ حاشیہ۔ جو ہم نے اوپر بیان کیا کہ یہود کو مسیحؑ کے معاملہ میں دھوکا لگا رہا انہوں نے سمجھا کہ مسیحؑ صلیب پر مر گیا حالانکہ وہ صرف غشی کی حالت میں تھا جو بعد میں جاتی رہی اور علاج کے ساتھ مسیحؑ اچھا بھلا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو یہود کے شر سے بچانے کی یہ تجویز کی کہ ان کی نظروں میں مسیحؑ مشابہ بالمصلوب کر دیا لیکن اگر وہ بھی غور کرتے اور اس معاملہ میں صرف ظن کی پیروی کرتے اور پوری تحقیقات سے کام لیتے تو انکو فوراً پتہ لگ جاتا کہ وہ مسیحؑ کو صلیب پر مار ڈالنے پر ۔۔ قادر نہیں ہو سکے بلکہ کف اللہ عنہ بنی اسرائیل +

اب یہ تو فیصلہ ہُوا کہ مسیحؑ صلیب پر لٹکایا گیا گو صلیب پر وہ مرا نہیں بلکہ خدا نے اسے یہود کے فاسد ارادوں سے محفوظ رکھا لیکن ہر جگہ طبیعت میں خیال اُٹھتا ہے کہ مسیحؑ اسکے بعد گیا کہاں شاید ناظرین کا خیال ہو کہ اس مسئلہ میں قرآن شریف خاموش ہو گا مگر نہیں جب وہ کسی مسئلہ کو لیتا ہے تو پھر اسکے ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہے چنانچہ اس مسئلہ پر بھی وہ خاموش نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

انّی متوفّیک ورافعک الیّ (سورۃ آل عمران رکوع ۶) یعنی خدا فرماتا ہے کہ "اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا اور اپنی طرف تجھ کو اٹھاؤنگا"۔ اس آیت میں رفع کو وفات کے بعد رکھا گیا ہے جس سے رفع کے معنی صاف طور پر کھل جاتے ہیں۔ موت کے بعد نیک لوگوں کی ارواح کا خدا کی طرف رفع ہوا کرتا ہے اور انکو بلند مقام میں جگہ دیجاتی ہے۔ لیکن بد ارواح کا کسی بلند مقام کی طرف رفع نہیں ہوتا بلکہ وہ جہنم کی طرف گرا دیجاتی ہے وہو المراد۔ بل رفعه الله الیه والی آیت اسی آیت کے جواب میں واقعہ ہوئی ہے۔ اسمیں اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ میں تجھے وفات دیکر اپنی طرف تیرا رفع کرونگا جیسا تمام مقربین کا ہوتا ہے اور آیت رفعه الله الیه میں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے پورا ہونیکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جو ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہیں مثلاً ملاحظہ ہو الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه (سورۃ فاطر رکوع ۲) یعنی اللہ ہی کی طرف طیب کلمات چڑھتے ہیں اور نیک اعمال ہی انسان کے رفع کا باعث ہوتے ہیں۔ اس آیت میں صاف لکھا ہے کہ ہر ایک نیک انسان کا جو

بقیہ حاشیہ - وجعلنا ابن مریم وامه ایة واوینٰهما الی ربوة ذات قرار ومعین (سورۃ مؤمنون رکوع ۳) یعنی ہم نے مسیحؑ اور اسکی ماں کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ہم نے پناہ دی ایک ایسی جگہ کی طرف جو بلند تھی اور جس میں چشمے جاری تھے۔ اس آیت میں جو پناہ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ صاف اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ صلیب والے واقعہ کے بعد کا موقعہ ہے جب مسیحؑ یہود کے شر سے بال بال بچا۔ دیکھیئے اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ مسیحؑ کو ایک بلند جگہ کی طرف پناہ دی گئی جو چشموں والی تھی۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو کشمیر کا خطہ اس بیان کے ٹھیک مطابق اترتا ہے اسی لئے حضرت مرزا صاحب کو اس طرف توجہ ہوئی تو ایک عرصہ کی تحقیقات کے بعد یہ صاف پتہ چل گیا کہ مسیحؑ صلیب سے بچکر افغانستان وکشمیر کی طرف ہجرت کرکے آ گئے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ مسیحؑ کی بعثت بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے تھی جیسا کہ خود مسیحؑ کے الفاظ سے ظاہر ہے اب تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل کی بعض قومیں مسیحؑ سے پہلے افغانستان وکشمیر کے علاقوں میں آکر آباد ہو گئی تھیں۔ دیکھ لیجئے کشمیر کا لفظ کس طرح اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ مرکب ہے کاف اور شمیر سے جو اصل میں اشیر تھا اور بگڑ کر شیر اور پھر ثقل تلفظ

اسکے نیک اعمال کا رفع ہوتا ہے تو کیا سارے نیک انسان آسمان پر زندہ اٹھائے جاتے ہیں علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف جانیکے معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے بھی ظاہر ہیں کہ انی ذاھب الی ربی (سورۃ الصٰفّٰت رکوع ۳) یعنی میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں پھر خیر اس قرآنی آیت سے تو سبھی واقف ہیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون (سورۃ بقرۃ رکوع ۱۹) یعنی ہم اللہ ہی کے لیئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم جائینگے۔ تو کیا اسجگہ اللہ کی طرف جانے سے یہ مراد ہے کہ ہم آسمان کی طرف زندہ اُٹھائے جائینگے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پھر حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنا چچا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا رفعك اللہ یا عم یعنی اے چچا خدا آپ کا رفع کرے (دیکھو کنز العمال) اس حدیث میں نبی کریمؐ نے اپنے چچا کے لیئے رفع کی دعا کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ رفع سے مراد رفع روحانی ہے نہ کہ جسمانی۔ پھر اور لیجئے نبی کریمؐ نے ہم کو نماز میں پڑھنے کے لیئے دعا سکھلائی ہے کہ اللّٰھم ارحمنی واھدنی وارزقنی وارفعنی یعنی اے میرے پروردگار مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت کر اور مجھے رزق عطا کر اور میرا رفع کر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ۔ کی وجہ سے شمیر بن گیا تو گویا کشمیر کے معنی ہوئے کا شیر یعنی اشیر کی طرح کا ملک٭۔ یہ نام اسکا بنی اسرائیل ہی نے آکر رکھا کیونکہ قاعدہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے نام پر لوگ اپنے نئے وطنوں کے نام رکھ لیا کرتے ہیں۔ اتنی تحقیقات کے بعد حضرت مرزا صاحب نے کشمیر کی تاریخ تلاش کی تو پرانے واقعات میں مل گیا کہ قریباً اُنیس سو سال ہوئے کہ باہر کسی ملک سے یہاں ایک شہزادہ نبی آیا تھا جسکا نام یوز آسف تھا جو صاف طور پر یسوع سے بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آخرکار مسیحؑ کی قبر بھی محلہ خانیار سری نگر میں مل گئی۔ اس قبر کے متعلق بھی لوگوں سے دریافت کیا گیا اور تاریخ سے پتہ لیا گیا تو یہی معلوم ہوا کہ یہ اسی یوز آسف کی قبر ہے جو اُنیس سو سال ہوئے کہ کشمیر میں آیا تھا مزید ثبوت یہ ملا کہ وہ قبر اور اسکے ساتھ والی مسیحؑ کی ماں کی قبر ٹھیک اُسی طرز پر ہیں جس طرح بنی اسرائیل کی قبریں ہوتی تھیں علاوہ اسکے مسیحؑ کی ہجرت کا ثبوت یہ ہے کہ لفظ مسیحؑ ہی کے یہ معنی ہیں کہ لمبے سفر کرنیوالا اور ظاہر ہے کہ مسیحؑ کے سوا اور کسی نبی نے اتنے لمبے سفر نہیں کیئے۔ پھر ایک حدیث میں آتا ہے کہ اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی (کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۴) یعنی اللہ نے عیسیٰ کو وحی کی کہ اے عیسیٰ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکل جا تا کہ تو پہچانا جاوے اور تجھے تکلیف میں ڈالا جاوے۔ یہ حدیث صراحت کے ساتھ صلیب کے بعد والے حالات کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ اسی وقت یہ ڈر تھا کہ اگر یہود مسیحؑ کو دوبارہ دیکھ لیں گے تو پھر شرارت کرینگے۔ منہ

٭ اشیر عبرانی زبان میں شام کے ملک کو کہتے ہیں۔ منہ

خود بھی ہمیشہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اب اگر رفع کے معنی رفع جسمانی کےلیئے جاویں تو بڑی شکل کا سامنا ہو اور وہ یہ کہ نبی کریمؐ ساری عمر رفع کے لیئے دعا کرتے رہے مگر انکی دعا قبول نہ ہوئی اور رفع نصیب ہُوا نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات ٭۔ غرض یہ یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اور نبیوں کی اصطلاح میں رفع سے مراد رفع روحانی ہوتا ہے نہ کہ رفع جسمانی۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ کہیں بھی خدا کے کلام میں جب بندہ کے متعلق رفع کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو اسکے معنی سوائے رفع روحانی کے اور کچھ نہیں لیئے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ رفع روحانی میں مسیحؑ کی قطعاً کوئی خصوصیت نہیں بلکہ تمام نیک لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ کما مرّ۔

نزول کی اصل حقیقت

ایک اور دلیل ہے جو ہمارے مخالف مسیحؑ کے آسمان پر زندہ جانے کے ثبوت میں دیا کرتے ہیں اور وہ یہ کہ احادیث میں آنیوالے مسیحؑ کے متعلق نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اُترنے کے معنوں میں آتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ مسیحؑ آسمان سے نازل ہونگے اور ظاہر ہے کہ آسمان سے اس صورت میں نازل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ آسمان کی طرف زندہ اُٹھائے گئے ہوں۔ اسکے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ اوّل تو کسی صحیح حدیث میں مسیحؑ کے متعلق نزول کے ساتھ سما کا لفظ نہیں استعمال ہُوا تا آسمان سے اترنے کے معنی لیئے جاویں۔ حضرت مرزا صاحب نے بیس ہزار روپیہ انعام مقرر کیا اگر کوئی شخص کوئی مرفوع متصل حدیث ایسی پیش کرے جسمیں مسیحؑ کے متعلق زندہ آسمان پر جانے اور پھر آسمان سے نازل ہونیکے الفاظ نبی کریمؐ نے فرمائے ہوں۔ مگر آجتک کوئی مخالف مولوی ایسی حدیث پیش نہ کر سکا۔ اس سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کوئی ایسی حدیث ہے ہی نہیں۔ علاوہ اسکے نزول کے معنوں کو بھی غور نہیں کیا گیا۔ نزول کے معنی ظاہر ہونے اور آنے کے بھی ہیں جیسا کہ لغت کی کتب سے ظاہر ہے۔ خود قرآن شریف میں دیکھیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرًا رسولاً یتلوا علیکم اٰیات اللہ (سورۃ طلاق رکوع ۲) "اللہ نے تمہاری طرف یاد کرانیوالا رسول بھیجا ہی جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے"۔ اس آیت میں نبی کریمؐ کے متعلق نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ نبی کریمؐ آسمان سے نہیں اُترے تھے بلکہ عربوں میں سے ہی مبعوث کیئے گئے تھے ملاحظہ ہو قد جاءکم رسول من انفسکم۔ پھر قرآن شریف فرماتا ہے و انزلنا الحدید

٭ علاوہ اسکے مفردات راغب جو قرآن شریف کی مشہور اور مستند لغت ہے اسمیں رفعہ اللہ الیہ کے معنی لکھے ہیں رفعہ من حیث التشریف یعنی اللہ نے مسیحؑ کا درجہ بلند کیا۔ اور لسان العرب میں لکھا ہے کہ رافع اللہؐ کا نام ہے کیونکہ ھو الذی یرفع المومن بالاسعاد و اولیاءہ بالتقریب۔ منہ

فیہ باس شدید ومنافع للناس (سورۃ حدید رکوع ۳) یعنی ہم نے لوہا اُتارا ہے جسمیں لڑائی کا بہت سامان ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ لیجئے لوہا بھی آسمان سے اُتر رہا ہے حالانکہ ظاہرا طور پر ہم اسکو زمین سے ہی کھود کر نکالا جاتا دیکھتے ہیں۔ پھر فرمایا یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم (سورۃ اعراف رکوع ۳) "اے بنی آدم ہم نے اُتارا تمپر لباس جو تمہارے برہنہ پن کو ڈھانپتا ہے"۔ اس آیت میں لباس کے لئے بھی نزول کا لفظ بیان ہوا ہے حالانکہ لباس تو روئی وغیرہ سے زمین پر ہی تیار کیا جاتا ہے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ نزول کے ہمیشہ لفظی طور پر اُترنے کے معنی ہی نہیں ہوتے بلکہ اکثر دفعہ نزول کا لفظ اس چیز کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کو بطور ایک انعام اور رحمت کے دیجاتی ہے۔ اور بعض اوقات نزول کا لفظ مطلق ظاہر ہونیکے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ یہ لفظ بعض احادیث میں دجال کے ظاہر ہونیکے متعلق بھی استعمال ہوا ہے اور یہ تو خیر سب جانتے ہیں کہ نزیل کا لفظ مسافر پر بھی بولا جاتا ہے اور جس جگہ سفر کے بعد قیام کیا جاوے اسکو منزل کہتے ہیں۔ علاوہ اسکے بعض احادیث میں مسیحؑ کے متعلق بعث اور خروج کے الفاظ بھی آئے ہیں (کنز العمال) جو نزول کے معنوں کی بڑی صراحت کے ساتھ تعیین کر دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں جو مفہوم بعث اور خروج اور نزول میں مشترک ہو (یعنی ظاہر ہونیکا) وہی درست اور صحیح ہوگا۔ پس لفظ نزول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیحؑ آسمان سے نازل ہوگا ایک سخت غلط راہ ہے جس سے پرہیز لازم ہے۔ قرآن کریم کسی بشر کے آسمان پر بجسم عنصری جانیکو صاف الفاظ میں ممتنع قرار دیتا ہے۔ حدیث مسیحؑ کے آسمان پر زندہ جا بیٹھنے پر کوئی گواہی نہیں دیتی بلکہ مخالف ہے اور عقل انسانی اس عقیدہ کو دُور سے ہی دھکے دیتی ہے تو پھر خواہ مخواہ مسیحؑ کو کیوں آسمان پر بیٹھا ہوا تصور کیا جاوے۔

باب دوم

(بحث مسئلہ وفات مسیحؑ)

دوسرا حصہ اس مضمون کا خاص وفات مسیحؑ کے متعلق ہے۔ اب تک میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر نہیں تشریف لے گئے اور اسکی تائید میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ

پیش کی ہیں اگر کوئی صاحب ٹھنڈے دل سے غور فرماویں تو انپر روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائیگا کہ اسلامی تعلیم کے مطابق یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ مسیحؑ بجسم عنصری آسمان پر چلا گیا۔ اب میں بتاتا ہوں کہ مسیحؑ وفات بھی پا چکا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؛

نبی کریمؐ سے پہلے جتنے رسول ہوئے وہ وفات پا گئے

ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (سورۃ آل عمران رکوع ۱۵) "محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے جو رسول ہوئے وہ گذر گئے تو کیا اگر محمدؐ طبعی موت سے فوت ہو جاویں یا قتل کر دئیے جاویں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے" یہ آیت کریمہ صاف طور پر نبی کریمؐ سے پہلے گذرے ہوئے انبیاءؑ کی موت کی خبر دیتی ہے اور انکی نسبت بتاتی ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسیحؑ بھی ایک رسول تھے جو چھ سو سال نبی کریمؐ سے پہلے مبعوث کیئے گئے پس لامحالہ ماننا پڑا کہ وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ مگر اس آیت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ خلا کے معنی صرف گذر جانے کے ہیں اس سے یقینی طور پر موت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اگر ایک شخص زندہ آسمان پر اٹھا لیا جاوے تو اسکی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہیں رہا اور گذر گیا۔ اس اعتراض کے دو جواب یاد رکھنے چاہئیں۔ اول تو یہ کہ عربی زبان میں خلا کے معنی مات (یعنی وہ مر گیا) کے بھی آتے ہیں تاج العروس جو لغت عربی کی سب سے بڑی اور مستند کتاب ہے اسمیں لکھا ہے خلا فلان اذا مات یعنی جب کوئی مر جاوے تو کہتے کہ خلا فلان فلاں شخص گذر گیا۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ خود اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلا کے معنوں کی تعیین کر دی ہے جیسا کہ فرمایا افان مات او قتل یعنی اگر محمد رسول اللہؐ طبعی موت سے مر جاویں یا قتل کر دیئے جاویں تو گویا اسجگہ خلت کے معنی لازمی طور پر ان دو صورتوں میں سے ایک کے ہونے چاہئیں۔ یہ الفاظ کہ افان مات او قتل ہم کو صاف بتا رہے ہیں کہ گذشتہ انبیاء کا گذر جانا انہی دو صورتوں میں سے کسی میں ہوا یعنی یا تو وہ طبعی موت سے وفات پاتے رہے اور یا پھر قتل ہو جاتے رہے اگر گذشتہ نبیوں سے کوئی آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہوتا یا مذکورہ دو طریقوں کے سوا کسی اور طریق سے کسی گذشتہ نبی کا گذر جانا واقع ہوا ہوتا تو اس صورت کا ذکر ہونا چاہیئے تھا یا کم از کم مسیحؑ کی استثنائی صورت ہی بیان کر دیجاتی۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ پس اس سے ظاہر ہے

کہ مندرجہ آیت میں خلا کے معنی یا طبعی موت سے مرنے کے لیے جاوینگے اور یا قتل کے ذریعہ اس جہان فانی کو چھوڑ جانے کے۔ لیکن چونکہ مسیحؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی صاف گواہی موجود ہے کہ کہ ما قتلوہ کہ مسیحؑ قتل نہیں کیا گیا تو لامحالہ دوسری صورت کو ہی ماننا پڑیگا یعنی یہ ماننا پڑیگا کہ مسیحؑ نے موت کے ذریعہ سے اس جہان کو چھوڑا وھو المراد ۔ آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین آیت کے ساتھ یہ الفاظ لگا دیتے ہیں کہ وسیخلو کما خلوا بالموت او القتل یعنی نبی کریمؐ بھی اسی طرح دنیا کو چھوڑ جائینگے جس طرح گذشتہ انبیاءؑ طبعی موت کے ذریعہ یا قتل کے ذریعہ دنیا کو چھوڑ گئے ۔

وفاتِ مسیحؑ پر صحابہؓ کا اجماع

اس آیت کے معنی اور بھی واضح ہو جاتے ہیں جب ہم اسکو ایک مشہور تاریخی واقعہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ احادیث (صحیح بخاری کتاب المناقب) میں لکھا ہے کہ جب نبی کریمؐ فوت ہوئے تو ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عمرؓ ابھی تک آپکو زندہ ہی سمجھ رہے تھے اور کہتے تھے کہ آپ پھر واپس آجائینگے۔ وہ اپنے اس خیال پر اسقدر جمے ہوئے تھے کہ انہوں نے کہا کہ جو کوئی بھی نبی کریمؐ کو فوت شدہ کہیگا۔ میں اسکی گردن اڑا دونگا۔ اسوقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور صحابہؓ کے سامنے یہی آیت پڑھی

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل

یعنی محمدؐ تو صرف ایک رسول تھے ان سے پہلے جو رسول ہوئے وہ فوت ہو چکے اور اب نہیں رہے حضرت عمرؓ پر اسقدر غم طاری ہوا کہ وہ زمین پر گر گئے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کا پیارا آقا اللہ کا صرف ایک رسول تھا جس نے گذشتہ انبیاءؑ کی طرح موت کے دروازہ سے گذرنا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی گذشتہ نبی اسوقت تک زندہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ کے اس استدلال پر کہ چونکہ پہلے نبی سب فوت ہو چکے ہیں سیدنا محمد رسول اللہؐ کو بھی فوت ہونا چاہیئے صحابہ کرامؓ ضرور اعتراض کرتے خاصکر حضرت عمرؓ اور انکے ہم خیال جو پہلے سے ہی آنحضرتؐ کو ابھی تک زندہ تصور کر رہے تھے مگر سب صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اتفاق کر کے اس استدلال پر مہر لگا دی۔ گویا آنحضرتؐ کے بعد جس مسئلہ پر سب سے پہلا اجماع صحابہؓ کا ہوا وہ یہی تھا کہ گذشتہ انبیاءؑ تمام کے تمام فوت ہو چکے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ مسیح ناصریؑ کی وفات پر یہ کیسی صاف

اور واضح دلیل ہے مگر افسوس حضرت مرزا صاحب سے لوگوں کا اسقدر عناد بڑھا ہوا ہے کہ صاف سے صاف دلیل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے اور یہی کہے جاتے ہیں کہ بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا مگر حل طلب امر یہ ہے کہ اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئًا ولا یھتدون۔ اچھا پھر آگے چلیے۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔

مسیح کا رفع وفات کے بعد ہوا

یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ (سورۃ آل عمران رکوع ۶) "اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے مارونگا اور اپنی طرف اٹھاؤنگا اور پاک کردوں گا تجھ کو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکرین پر غلبہ دونگا" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسیح سے چار وعدے فرمائے ہیں جو ایک ترتیب میں واقع ہوئے ہیں۔ اب یہ خیال کرنا کہ پچھلے تین وعدے تو پورے ہو چکے ہیں مگر پہلا وعدہ ابھی تک پورا ہونے میں نہیں آیا صریح ہٹ دھرمی ہے۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسکے الفاظ موتیوں کی طرح اپنی اپنی جگہ جڑے گئے ہیں۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ قرآن کی آیات کے الفاظ کو الٹ پلٹ دے۔ اگر اس طرح ہونے لگے تو امان اٹھ جاوے۔ یہود کو اسواسطے اللہ تعالیٰ لعنت ملامت کرتا ہے کہ یحرفون الکلم عن مواضعہ یعنی وہ بدبخت لوگ الٰہی کلام میں دست برد کرتے اور الفاظ کو اپنی جگہ سے الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ مگر ہائے افسوس آج مسلمانوں نے بھی وہی کیا اور صرف حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کیوجہ سے کہدیا کہ اس آیت میں اصل میں رافعک پہلے رکھنا چاہیے اور متوفیک بعد تاکہ کسی طرح مسیح زندہ ثابت ہو جاوے مگر یہ خیال بدیہ البطلان ہے لیکن خیر بعض مفسرین اور آج کل کے مولویوں کی اس کوشش نے ہم کو یہ واضح طور پر بتا دیا کہ متوفیک کے معنی دراصل انکے نزدیک بھی وفات دینے کے ہی ہیں ورنہ تقدیم تاخیر کی کوشش کے کیا معنی اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ؑ سے وعدہ کیا کہ وہ اسکو وفات دیگا اور اسکو اپنی طرف اٹھائیگا اور اسکو کافروں کے الزاموں سے پاک کریگا اور اسکے متبعین کو قیامت کے دن تک اسکے منکرین پر غالب رکھیگا۔ اب ہمارے مخالف یہ کہتے

ہیں کہ مسیحؑ کا رفع ہو چکا اور قرآن شریف کے ذریعہ اللہ نے یہود کے الزامات سے مسیحؑ کو پاک ثابت کردیا اور بالآخر مسیحؑ کے متبعین کو اسکے منکرین پر غلبہ بھی حاصل ہو گیا مگر تاحال سب سے پہلا وعدہ یعنی وفات کا پورا نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ پہلا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ اس وعدہ کے ایفا کا وقت آخری وعدہ کے بعد رکھا جائیگا کیونکہ آخری تین وعدے پورے ہو چکے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ آخری وعدہ کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے جیسا کہ الیٰ یوم القیامۃ کے الفاظ سے ظاہر ہے تو گویا قیامت تک تو مسیحؑ صاحب پر موت آتی نہیں اور جب قیامت آئیگی اور مردے قبروں سے اُٹھائے جائینگے اسوقت مسیحؑ کی روح قبض کی جائیگی۔ مگر اس میں ایک اور مشکل کا سامنا ہے اور وہ یہ کہ قیامت کا دن تو زندہ کرنے کا دن ہے نہ کہ مارنے کا تو گویا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت مسیحؑ موت کے پنجے سے بالکل چھوٹ گئے۔ چلو فیصلہ ہوا۔ اس مضمون پر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”توفی کا لفظ اگر آیت کے سر پر سے اُٹھا دیا جاوے تو اسکو کسی دوسرے مقام میں قیامت سے پہلے رکھنے کی کوئی جگہ نہیں سو اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے بعد مرینگے اور پہلے مرنے سے یہ ترتیب مانع ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی یہ کرامت ہے کہ ہمارے مخالف یہودیوں کی طرح قرآن شریف کی تحریف پر آمادہ تو ہوئے مگر قادر نہیں ہو سکے۔ اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی جہاں فقرہ رافعک کو اپنے مقام سے اُٹھا کر اُسجگہ رکھا جاوے۔ ہر ایک جگہ کی خانہ پُری ایسے طور سے ہو چکی ہے کہ دست اندازی کی گنجائش نہیں۔“ غرض ہم مجبور ہیں کہ جو ترتیب اللہ تعالیٰ نے جو حکیم ہے الفاظ کی رکھی ہے اسکو قبول کریں اور اپنی طرف سے ایک نیا قرآن نہ بنائیں۔ پس چونکہ پچھلے تین وعدے مسلمہ طور پر پورے ہو چکے ہیں اسلیئے لامحالہ ماننا پڑا کہ پہلا وعدہ جو مسیحؑ کی وفات کے متعلق ہے وہ بھی پورا ہو چکا ہوگا۔

یہ آیت رفع کے معنی بھی واضح کر رہی ہے کیونکہ رفع کا وعدہ وفات کے وعدہ کے بعد اللہ نے رکھا ہے اسلیئے معلوم ہوا کہ رفع انہی معنوں میں ہے جو آیت یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک میں بیان کیئے گئے ہیں۔ موت کے بعد نیک ارواح کا اللہ کی طرف رفع ہوتا ہے مگر بد ارواح کا اللہ کی طرف رفع نہیں ہوتا۔ انہی معنوں میں مسیحؑ کا رفع ہوا ۔

متوفیک کے معنی | اس آیت کے متعلق بعض مخالف علماء یہ کہتے ہیں کہ اسمیں جو لفظ

متوفیک کا واقع ہوا ہے اسکے معنی قبض روح یعنی وفات دینے کے نہیں ہیں بلکہ سارے کا سارا اٹھا لینے کے ہیں۔ اسکے جواب میں پیشتر اسکے کہ میں لغت کے حوالہ سے توفّی کے معنی ظاہر کروں حضرت مرزا صاحبؑ کی ایک تحریر نقل کیئے دیتا ہوں جسمیں اس اعتراض کا جواب ہے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے تیئس مقامات میں لفظ توفّی کو قبض روح کے موقعہ پر استعمال کیا ہے۔ اوّل سے آخر تک قرآن شریف میں کسی جگہ لفظ توفّی کا ایسا نہیں جسکے بجز قبض روح اور مارنیکے اور معنی ہوں۔ اور پھر ثبوت پر ثبوت یہ کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے متوفّیک کے معنی ممیتک لکھے ہیں۔ ایسا ہی تفسیر فوز الکبیر میں بھی یہی معنی مندرج ہیں اور کتاب عینی تفسیر بخاری میں اس قول کا اسناد بیان کیا ہے ..... احادیث میں جہاں کہیں توفّی کا لفظ کسی صیغے میں آیا ہے اسکے معنی مارنا ہی آیا ہے جیسا کہ محدثین پر پوشیدہ نہیں اور علم لغت میں یہ مسلم اور مقبول اور متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو وہاں بجز مارنے کے اور کوئی معنی توفّی کے نہیں آتے۔ تمام دواوین عرب اس پر گواہ ہیں اب اس سے زیادہ ترک انصاف کیا ہوگا کہ قرآن بلند آواز سے فرما رہا ہے کوئی نہیں سنتا۔ حدیث گواہی دے رہی ہے کوئی پروا نہیں کرتا۔ علم لغت عرب شہادت ادا کر رہا ہے کوئی اسکی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ دواوین عرب اس لفظ کے محاورات بتلا رہے ہیں کسی کے کان کھڑے نہیں ہوئے۔" زائد تسلّی کے لیئے لغت ملاحظہ ہو۔ چھوٹی موٹی لغت کی گواہی تو ہمارے مولوی شائد ٹال دیں اسلیئے ہم سب سے بڑی اور مستند کتاب تاج العروس کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ تاج العروس میں لکھا ہے توفاہ اللّٰہ عز وجل اذا قبض نفسہ یعنی توفاہ اللّٰہ کے معنی ہیں اللہ نے اسکی روح قبض کر لی اور یہ بھی لکھا ہے توفی فلان اذا مات یعنی توفی فلان کے یہ معنی ہیں کہ فلاں مر گیا۔ پھر علامہ زمخشری صاحبِ کشاف متوفّیک کے معنی لکھتے ہیں ممیتک حتف انفک یعنی تجھے تیری طبعی موت سے مارونگا۔ پس یہ یقینی ہے کہ آیت زیر بحث میں انی متوفیک کے معنی صرف یہی ہیں کہ میں تجھ کو وفات دونگا۔ اسمیں شک نہیں کہ چونکہ توفّی کے اصل معنی قبض روح کے ہیں جو ایک حد تک نیند میں بھی ہوتا ہے اسلیئے توفّی کا لفظ بعض اوقات صرف نیند کے وقت قبض روح کرنیکے معنی بھی دیتا ہے مگر ان معنوں

کے لیئے قرینہ کا ہونا لازمی ہوتاہے ورنہ بغیر قرینہ کہ جب یہ لفظ استعمال ہو اور خدا فاعل ہو اور انسان مفعول بہ تو لامحالہ اسکے معنی وفات دینے کے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے چیلنج دیا مخالف مولویوں کو کہ وہ قرآن شریف یا حدیث یا عرب کی کسی مستند کتاب میں یہ دکھا دیں کہ جب خدا فاعل ہو اور کوئی مذکور انسان مفعول بہ ہو تو توفّی کے سوائے قبض روح کے اور کوئی معنی ہوں مگر آجتک کوئی اس کا جواب نہیں دے سکا۔ علاوہ ازیں خود آیت زیر بحث متوفیک کے معنی صاف بتا رہی ہے کیونکہ اگر متوفیک کے معنی یہ ہیں کہ پورا اٹھا لینا تو رافعک کا لفظ الگ لانے سے کیا فائدہ۔ اس آیت میں رافعک کا لفظ اس بات پر یقینی شہادت ہے کہ متوفیک رافعک سے الگ کوئی چیز ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نبی کریمؐ کو فرماتا ہے اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک "ہم جو کفار کو عذاب کے وعید دے رہے ہیں انمیں یا تو بعض تجھے دکھا دینگے اور یا تجھے وفات دیدینگے" پھر قرآن میں لکھا ہے ربنا افرغ علینا صبراً و توفنا مسلمین۔ یعنی اے رب ہمارے ہم کو صبر کی کامل توفیق عطا کر اور ہم کو اس حالت میں وفات دے کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں غرض توفّی کے لفظ پر اڑنا پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی ہے اور پھر تعجب یہ کہ جب کسی اور شخص کے لیئے یہی لفظ توفّی کا استعمال ہو تو اسکے معنی وفات دینے کے کیئے جاتے ہیں لیکن جہاں یہ حضرت عیسیٰ کے متعلق استعمال ہوا فوراً اسکے معنی آسمان کی طرف اٹھا لینے کے ہو گئے۔ محمد رسول اللہ صلعم کے متعلق تو وفات دینے کے معنی رہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آسمان پر لیجانے کے معنی پیدا ہو گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

مسیحؑ کا اپنی وفات کے متعلق اپنا اقرار اور وفات کا وقت

یہاں تک جو آیات میں نے وفات مسیحؑ کے متعلق لکھی ہیں انسے بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ وفات پا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صاف گواہی موجود ہے اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار دیکھا جاوے تو مسیحؑ کی وفات کا مسئلہ ایسا صاف ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں مگر جنہوں نے نہیں ماننا وہ نہیں مانتے۔ اچھا اب میں مسیحؑ کی خود اپنی وفات کے متعلق شہادت پیش کرتا ہوں شاید اللہ کی گواہی پر اگر پوری تسلی نہ ہوئی ہو تو مسیحؑ

کا اپنا بیان کسی تشفی کا موجب ہو جاوے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے واذ قال اللّٰہ یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللّٰہ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔ ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللّٰہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیءٍ شھید۔ (سورۃ مائدۃ رکوع ۱۶) "اور جب خدا (قیامت کے دن) کہیگا کہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا تُونے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو اللہ کے سوا تو عیسیٰ جواب دینگے پاک ہے تیری ذات مجھے روا نہیں کہ کہوں وہ جسکا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر مینے کوئی ایسی بات کہی ہے تو تُو اسے جانتا ہے۔ تُو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے لیکن مَیں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے تو تُو بیشک غیبوں کا جاننے والا ہے۔ مَینے انکو سوائے اس بات کے جس کا تُونے مجھ کو حکم دیا۔ اور کچھ نہیں کہا اور وہ یہ کہ عبادت کرو اسکی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اور مَیں تو انپر نگران رہا جبتک مَیں انکے درمیان رہا لیکن جب تُونے مجھے وفات دیدی تو پھر تُو تُو ہی انکو دیکھنے والا تھا اور تُو ہر ایک چیز پر نگران ہے" یہ آیت مسیح کی وفات پر دلیل کا ایک سورج چڑھا دیتی ہے۔ کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی میں مسیحؑ صرف دو زمانوں کا ذکر کرتا ہے جن میں سے وہ یکے بعد دیگرے گذرا۔ پہلا زمانہ وہ ہے جب مسیحؑ اپنے متبعین کے اندر موجود تھا اور دوسرا زمانہ جو پہلے کے ساتھ ملحق ہے وہ مسیحؑ کی وفات کا زمانہ ہے۔ اب اگر مسیحؑ واقعی آسمان پر گیا ہوتا تو اس کا جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ ما دمت فیھم فلما رفعتنی الی السماء حیا یعنی مَیں اپنے متبعین پر نگران حال رہا جبتک مَیں ان میں رہا پھر جب تُونے مجھے زندہ آسمان کی طرف اٹھا لیا الخ۔ مگر مسیحؑ کا جواب یہ نہیں بلکہ مسیحؑ نے اپنے متبعین کے درمیان رہنے والے زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ جس کا ذکر کیا ہے وہ اپنی وفات کا زمانہ ہے پس ثابت ہوا کہ مسیحؑ آسمان پر نہیں اٹھایا گیا بلکہ فوت ہو گیا۔ آیت زیر بحث ہم کو صاف الفاظ میں بتاتی ہے کہ وہ چیز جو

مسیحؑ کے پہلے زمانہ یعنی متبعین کے درمیان رہنے والے زمانہ کو کاٹنے والی اور نیا دور شروع کرنیوالی ہے وہ مسیحؑ کی وفات ہے جیسا کہ مادمت فیھم فلما توفیتنی سے ظاہر ہے اگر پہلے زمانہ کو کاٹنے والی چیز آسمان پر جانا ہوتا تو مسیحؑ کا یہ جواب غلط ٹھیرتا ہے ٭

پھر یہی نہیں اسی آیت میں مسیحؑ اپنی وفات کا وقت بھی ہم کو بتاتے ہیں۔ کیونکہ فرماتے ہیں کہ مینے انکو یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی پرستش کرو جو میرا اور تمھارا سب کا رب ہے اور میں جبتک انکے درمیان رہا میں اُنپر نگران رہا جسکے یہ معنی ہیں کہ جبتک میں انمیں رہا مینے انکو سیدھے راستہ سے بھٹکنے نہیں دیا۔ اس طرح گویا مسیحؑ اپنے متبعین کے گمراہ ہوجانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ مسیحی لوگ حضرت مسیحؑ کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے۔ مگر قرآن ہم کو بتا رہا ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی مسیحی لوگ راہ راست چھوڑ بیٹھے تھے اور گمراہ ہو چکے تھے جیسا کہ فرمایا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ یعنی ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے پس ثابت ہوا کہ مسیحؑ کم از کم نبی کریمؐ کے زمانہ مبارک سے پہلے پہلے وفات پاچکا تھا۔ مسیحؑ کا جواب صاف صاف شہادت دے رہا ہے کہ عیسائی لوگ مسیحؑ کی وفات کے بعد بگڑے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسائی بگڑ چکے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں بگڑے تو خیر مسیحؑ زندہ ہوگا لیکن اگر بگڑ چکے ہیں اور ضرور بگڑ چکے ہیں تو پھر اسکے ماننے کے بغیر چارہ نہیں کہ مسیحؑ فوت ہو چکا ہے۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ مسیحؑ اب تک آسمان پر زندہ موجود ہے اور آخری زمانہ میں قیامت سے پہلے نازل ہوگا تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ وہ اپنی اُمّت کے بگڑ جانے سے واقف ہوجائیگا اور اسے معلوم ہوجائیگا کہ میری اُمّت مجھ کو خدا مانتی ہے تو اس صورت میں وہ کسطرح اپنی ناواقفیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ کیونکہ مسیحؑ کی طرف سے یہ نعوذ باللہ ایک سیاہ جھوٹ ہوگا اگر وہ باوجود پورا علم رکھنے کے پھر لاعلمی کا اظہار کرے۔ گندہ سے گندہ آدمی خدا کے حضور ایسے بدبودار جھوٹ کی جرأت نہیں کر سکتا تو پھر مسیحؑ جو ایک خدا کا پیارا بندہ اور رسول تھا وہ کسطرح ایسا صریح جھوٹ بولیگا ٭

حدیث میں اس آیت کی تفسیر

ایک حدیث اس آیت کے معنوں کو روز روشن کی طرح ظاہر کردیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث (بخاری کتاب التفسیر)

میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں حوض کوثر پر کھڑا ہونگا اور اپنے متبعین کو پانی تقسیم کر رہا ہونگا۔ اچانک لوگوں کا ایک گروہ میرے سامنے آئیگا جن کو فرشتے دھکیلے لیئے جا رہے ہونگے۔ میں انکو دیکھکر چلّا اُٹھونگا۔ اصیحابی اصیحابی۔ یہ تو میرے صحابہ ہیں یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ اسپر فرشتے کہیں گے۔ انک لاتدری ما احدثوا بعدک انھم لم یزالوا مرتدین علیٰ اعقابھم ”آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپکے بعد کیا کچھ کیا۔ یہ تو آپکے بعد اپنی ایڑیوں پر پھر گئے“ نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ یہ سنکر میں وہی کہوں گا۔ جو ایک نیک بندہ عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا کہ کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم یعنی ”جب تک میں انکے درمیان رہا میں انکی نگرانی کرتا رہا پھر جب اے خدا تُو نے مجھ کو وفات دیدی تو پھر تُو ہی انکو دیکھنے والا تھا“ دیکھیئے نبی کریمؐ نے وہی الفاظ اپنے متعلق استعمال کیئے جو عیسیٰؑ نے کیئے۔ یہ ظاہر ہے کہ نبی کریمؐ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے بلکہ موت نے ہی انکو انکے متبعین سے الگ کیا۔ یہی معنی عیسیٰ کے متعلق لینے چاہیئے۔ نیز غور فرمائیے کسطرح نبی کریمؐ نے اپنا حال عیسیٰ بن مریمؑ کے حال سے مشابہ قرار دیا۔ آپنے فرمایا کہ جسطرح عیسیٰ بن مریم اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا اسی طرح میں ظاہر کرونگا۔ اور یہ میں اوپر ہی بتا آیا ہوں کہ اگر مسیح آخری زمانہ میں نازل ہو تو پھر وہ ضرور اپنی اُمت کے بگڑ جانے سے قیامت کے پہلے ہی واقف ہو جائیگا اسلیئے اسکے لیئے قیامت کے روز اپنی لاعلمی ظاہر کرنا ایک سیاہ جھوٹ ہے۔ کیا مسیحؑ کے متبعین میں سے کوئی شخص اسوقت اُٹھکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ ”اے خدا اس شخص نے ایک ایسا سیاہ جھوٹ بولنے کی جرأت کی ہے جسپر قریب ہے کہ زمین اور آسمان پھٹ جاویں۔ یہ آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں آیا اور اس نے ہم کو اسکی خدائی مانتے اور لوگوں سے منواتے دیکھا جس کی وجہ سے اس نے ہمارے خلاف جنگ کی اور چالیس سال تک اسنے زمین میں ایک شور مچائے رکھا اور اسوقت تک اس نے تلوار نیام میں نہیں کی جبتک اسنے تمام ان لوگوں کو تلوار کی گھاٹ نہیں اُتار لیا جنہوں نے اسکی بات کا انکار کیا مگر اب خداوندیا اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہے“ افسوس حضرت مرزا صاحبؑ کی مخالفت میں لوگ اسقدر اندھے ہو گئے کہ خدا کے ایک عظیم الشان نبی پر الزام لگا دیا مگر مرزا صاحب کو سچا ماننا گوارا نہ کیا یٰحسرۃً علی العباد ما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون۔ آیت

زیر بحث توفّی کے معنی بھی واضح کر رہی ہے کیونکہ نبی کریمؐ نے اپنے متعلق یہی الفاظ استعمال کیٔے کہ فلمّا توفّیتنی یعنی جب تُو نے مجھے وفات دیدی۔ اگر توفّی کے معنی وفات دینے کے نہ ہوتے بلکہ اُٹھا لینے کے ہوتے جیسا کہ کہا جاتا ہے تو نبی کریم ان الفاظ کو اپنے متعلق استعمال نہ کرتے کیونکہ آپ تو آسمان کی طرف نہیں اُٹھائے گئے بلکہ عام لوگوں کی طرح فوت ہوئے ❊

مسیحؑ کو اگر خدا فرض کر لیا جاوے پھر بھی وہ موت سے نہیں بچتا۔

یہاں تک تو مسیحؑ بحیثیت انسان کے مذکور ہُوا لیکن چونکہ قرآن شریف ایک ایسی جامع کتاب ہے جو کسی پہلو کو نہیں چھوڑتی ہے۔ اور دنیا کا ایک بڑا حصّہ مسیحؑ کو خدا مانتا ہے اسلیئے اس حیثیت میں بھی قرآن شریف اسکی وفات کا ذکر کرتا ہے تاکہ ہر طرح حجت پوری ہو۔ فرماتا ہے والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئًا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (سورۃ نحل رکوع ۲) ”جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں (یعنی عبادت کرتے ہیں) وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیئے گئے ہیں۔ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اُٹھائے جائینگے۔“ یہ آیت اُن تمام کی موت کی خبر دیتی ہے جو بطور معبود نبی کریمؐ کے زمانہ میں پوجے جاتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ مسیحؑ انہی میں سے ایک ہے۔ مگر بعض لوگ اس آیت کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں بتوں وغیرہ کا ذکر ہے نہ کہ ان انسانوں جو بطور خدا کے پوجے جاتے ہیں لیکن یہ صریح غلطی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں فرماتا ہے وما یشعرون ایان یبعثون یعنی جو پوجے جاتے ہیں وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ انکا بعث کب ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ بعث پتّھر کے بتوں وغیرہ کا تو نہیں ہُوا کرتا بلکہ انسان کا ہی موت کے بعد بعث ہوگا۔ علاوہ اسکے آیت میں الذین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو عربی قواعد کے رو سے بیجان کے لیئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ جاندار اور ذوی العقول کیلیئے آتا ہے اسلیئے بھی یہاں پتّھر وغیرہ مراد نہیں ہو سکتے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ یہ آیت ان انسانوں ہی کے متعلق ہے جو بطور معبود نبی کریمؐ کے زمانہ میں پوجے جاتے تھے تو لامحالہ مسیح ناصریؑ بھی اسی فہرست میں داخل ماننے پڑینگے۔ بلکہ کیا بلحاظ نبی کریمؐ کے زمانی طور پر سب سے زیادہ قریب ہونے کے اور کیا بلحاظ اسکے کہ انسان خداؤں میں سب سے زیادہ مسیحؑ کی پرستش کیجاتی ہے سب سے پہلا شخص جو اس فہرست میں آتا ہے وہ مسیحؑ ہی ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ مسیحؑ خصوصیت کے ساتھ

ان لوگوں میں داخل ہیں جن کی نسبت خدا فرماتا ہے کہ اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون ۔

آیت وان من اھل الکتٰب الخ کی صحیح تفسیر

مندرجہ بالا قرآنی آیات سے اچھی طرح واضح ہو چکا ہوگا کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ عام آدمیوں کی طرح اپنے زندگی کے دن کاٹ کر وفات پا گئے۔ مگر اسجگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالف جس آیت سے مسیحؑ کی حیات نکالتے ہیں اسکی مختصراً تشریح کر دی جاوے تا ہر طرح سے یہ مسئلہ صاف ہو جاوے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ (سورۃ النساء رکوع ۲۲) اس آیت کے معنی غیر احمدی علماء عام طور پر اس طرح کرتے ہیں کہ "کوئی اہل کتاب میں سے نہیں مگر ایمان لائیگا مسیحؑ پر مسیحؑ کی موت سے پہلے" جس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیحؑ اب تک زندہ ہے اور آخری دنوں میں آسمان سے نازل ہوگا اور سب کے سب اہل کتاب اسپر ایمان لانے پر مجبور کیے جاوینگے۔❋ لیکن اگر ہم ذرا غور سے کام لیں تو اس دلیل کا تمام پول کھل جائیگا۔ قرآن شریف کے الفاظ ہیں ان من اھل الکتٰب جسکے معنی ہیں "تمام کے تمام اہل کتاب بغیر استثناء کے" اب اگر یہ فرض بھی کر لیا جاوے کہ جسوقت مسیحؑ نازل ہونگے اسوقت جتنے یہود ہونگے مسیحؑ پر ایمان لے آئینگے تب بھی ان من اھل الکتٰب کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ لاکھوں کروڑوں یہود جو اس آیت کے نزول اور مسیحؑ کی آمد کے درمیان فوت ہو گئے اور ہونگے وہ کس طرح ایمان لائینگے۔ وہ تو بہر حال مستثنیٰ ہی رہینگے مگر استثناء کے یہ الفاظ متحمل نہیں ہیں لہذا معلوم ہوا کہ جو معنی اس آیت کے کیے جاتے ہیں وہ غلط ہیں۔ علاوہ اسکے ہم قرآن میں پڑھتے ہیں واغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ (سورۃ مائدۃ رکوع ۳) یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ میں دشمنی اور بغض ڈالدیا ہے جو قیامت کے دن تک رہیگا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایسا کوئی وقت نہیں آئیگا جب یہود اور نصاریٰ بالکل معدوم ہو جائینگے بلکہ وہ قیامت تک رہینگے۔ علاوہ اس آیت کے اور بھی بہت سی قرآنی آیات ہیں جو ہم کو صاف طور پر بتاتی ہیں کہ یہود قیامت تک رہینگے اور بالکل معدوم کبھی نہیں ہونگے پس آیت زیر بحث کے یہ معنی کرنا کہ کوئی ایسا وقت آئیگا جب تمام کے تمام یہود عیسیٰؑ پر ایمان لے آئینگے قرآن شریف

❋ یہ معنی کرتے ہوئے ہمارے مخالف اتنا نہیں سوچتے کہ انہی یہود کے متعلق اس آیت سے چند آیات اوپر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- لا یؤمنون الا قلیلاً یعنی ان میں سے بہت کم ایمان لائینگے۔ منہ

کی صریح تعلیم کے خلاف ہو۔ تو پھر آیت کے صحیح معنی کیا ہوئے؟ اس سوال کے جواب سے پہلے میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ جو معنی ہمارے مخالف کرتے ہیں انپر سلف کا بھی ہرگز اتفاق نہیں ہے بلکہ اس آیت کی تفسیر میں بہت اختلاف ہوا ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ حتّٰی کہ ان معنوں کے خلاف خود انہی کے گھر میں شہادت موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ صحیح معنی اس آیت کے وہی ہونگے جو قرآن کی محکم آیات کے مخالف نہ ہوں اور آیت کا سیاق سباق جن کا متحمل ہو۔ اب ہم جب سیاق سباق پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے یہود کے اس دعویٰ کا ذکر ہے کہ انہوں نے مسیحؑ کو مصلوب کر دیا۔ جسکی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصل میں مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ یہود کو غلطی لگی ہے ہاں مسیحؑ بوجہ زخموں کی تکلیف وغیرہ کے ایسی غشی کی حالت میں ضرور ہو گیا تھا کہ جس سے وہ مشابہ بالمصلوب ہو گیا۔ اور اسی لئے یہود کو یہ دھوکا لگا کہ مسیحؑ واقعی صلیب پر مر گیا۔ مگر یہود نے اس معاملہ میں پوری تحقیقات سے کام نہیں لیا بلکہ صرف ایک ظن کی پیروی کرتے رہے۔ اسکے بعد خدا فرماتا ہے کہ ان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ یعنی تمام کے تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے اسی بات پر ایمان رکھینگے (کہ مسیح واقعی مصلوب ہو گیا)۔ لیکن انکا یہ ایمان صرف انکی موت تک رہیگا اور موت کے بعد انپر حقیقت آشکارا ہو جائیگی کیونکہ موت کے بعد حقیقت کھل جایا کرتی ہے اور انسان کو اپنی غلطیوں کا علم ہو جاتا ہے۔ دیکھیئے یہ معنی کیسے صاف ہیں اور سیاق سباق عبارت کے کس طرح مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں تو بیشک تمام اہل کتاب کا یہی ایمان رہیگا کہ مسیحؑ صلیب پر مر گیا لیکن یہ ایمان صرف موت تک ہے۔ ✽ بعد موت کے انکو پتہ لگ جائیگا کہ ان کا خیال غلط تھا اور مسیحؑ درحقیقت صلیب پر نہ مرا تھا۔ ان معنوں کی مزید تائید اس طرح ہوتی ہے کہ آیت میں جو لفظ موتہ آیا ہے اسکی دوسری قرأت موتہم آئی ہے جیسے تفسیر بیضاوی وکشاف وغیرہ سے ظاہر ہے پس یہ یقینی ہوا کہ موتہ کی ضمیر عیسٰیؑ کی طرف نہیں جاتی بلکہ اہل کتاب کی طرف جاتی ہے۔ لفظ بہ میں جو ضمیر ہے وہ اہل کتاب کے اس قول کی طرف جاتی ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا جس قول کا اس آیت سے پہلے قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ معنی جو میں نے آیت کے کئے ہیں انکی آیت زیر بحث کا آخری حصہ بڑی زور سے تائید کر رہا ہے۔ خدا فرماتا ہے ویوم القیامۃ یکون علیہم شہیدا۔

✽ یہ آیت خود وفات مسیحؑ پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مسیحؑ کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ اہل کتاب پر قیامت ہی کے دن بطور [illegible] گواہ ہونگے [illegible] … ہیں پس اس درمیانی آیت کو کس طرح منتشر مان لیا جاوے۔ منہ

یعنی اہل کتاب اسی خیال پر جمے رہینگے کہ مسیح درحقیقت صلیب پر مر گیا تھا لیکن قیامت کے دن جب تمام
مردے اُٹھائے جائینگے تو وہ (مسیحؑ) انکے خلاف بطور ایک گواہ کے کھڑا ہوگا اور انکو بتادیگا کہ اسکی صلیبی
موت کے متعلق انکا خیال غلط تھا غرض آیت زیر بحث کا سیاق سباق اور پھر موتہ کی جگہ موتہم کی
دوسری قرأت اور پھر قرآن شریف کی محکم آیات ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ ہم غیر احمدی مولویوں کے معنوں کو
غلط قرار دیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قرآن شریف کی تفسیر کا گر	هو الذی انزل علیك الکتٰب منه اٰیات محکمات هن ام الکتٰب واخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة (سورۃ آل عمران رکوع ۱)

مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اس آیت کے یوں معنی کرتے ہیں:۔
"اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری جسمیں بعض آیات پکی یعنی صاف اور صریح
ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور بعض دوسری مبہم کہ انکے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں۔ تو جن
لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو قرآن کی انہی مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فساد پیدا کریں۔"
دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو قرآنی آیات کے معنی کرنیکا کیسا گر بتایا ہے کہ جس سے سب جھگڑوں
کی جڑھ کٹ جاتی ہے۔ قرآن شریف میں بعض ایسی آیات ہیں کہ جن کے معنوں میں کئی پہلو نکل
سکتے ہیں مثلاً یہی کہ کوئی ضمیر ہو جسکے لئے ممکن ہے کہ وہ ایک شئے کی طرف پھرتی ہو اور ممکن
ہے کہ دوسری کی طرف پھرتی ہو یا اور کسی قسم کا تشابہ واقع ہو جاوے تو اس صورت میں ہم کو یہ حکم
ہے کہ ایسی آیات کے وہی معنی کریں کہ جو محکم آیات کے خلاف نہ ہوں۔ اب دیکھئے یہ کیسی محکم اور قطعیۃ الدلالت
آیت ہے واغرینا بینهم العداوة والبغضاء الی یوم القیامة یعنی یہود اور نصاریٰ
میں قیامت تک جھگڑا رہیگا۔* اب انصاف کا مقام ہے کہ ہم آیت زیر بحث کا کس طرح یہ ترجمہ قبول کرلیں
کہ کوئی وقت ایسا آنیوالا ہے کہ یہود تمام کے تمام مسیحؑ پر ایمان لے آئینگے اور وہ اور نصاریٰ ایک
ہو جائینگے۔ اس آیت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ابوہریرہؓ نے بھی اسکے وہی معنی کیئے ہیں جو آجکل کے
مولوی کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں:۔ "موتہ کی ضمیر اہل کتاب
کی طرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف اسی واسطے اس آیت کی دوسری قرأت میں موتہم

* علاوہ اسکے جو آیات ہم نے وفات مسیحؑ کے ثبوت میں لکھی ہیں وہ بھی کیسی محکم اور واضح ہیں پس آیت زیر بحث میں حیات مسیحؑ کی طرف کس طرح پھیرا جاسکتا ہے۔ منہ

واقع ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ کی طرف ضمیر پھرتی تو دوسری قرأت میں موتہم کیوں ہوتا؟ دیکھو تفسیر ثنائی کہ اسمیں بڑے زور سے ہمارے اس بیان کی تصدیق موجود ہے۔ اور اسمیں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی معنی ہیں مگر صاحب تفسیر لکھتا ہے کہ ابوہریرۃ فہم قرآن میں ناقص ہے اور اسکی درائت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابوہریرہ میں نقل کرنیکا مادہ تھا اور درائت اور فہم سے بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسے معنی کیے ہیں تو یہ اسکی غلطی ہے جیساکہ کئی اور مقام میں محدثین نے ثابت کیا ہے کہ جو امور فہم اور درائت کے متعلق ہیں اکثر ابوہریرہ انکے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے یہ مسلم امر ہے کہ ایک صحابی کی رائے شرعی حجت نہیں ہو سکتی شرعی حجت صرف اجماع صحابہؓ ہے سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع صحابہؓ ہو چکا ہے کہ تمام انبیاءؑ فوت ہو چکے ہیں۔

اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جبکہ آیت قبل موتہ کی دوسری قرأت موتہم موجود ہے جو بموجب اصول محدثین کے حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے یعنی ایسی حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اس صورت میں محض ابوہریرہ کا اپنا قول رد کرنیکے لائق ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مقابل ہیچ اور لغو ہے اور اسپر اصرار کرنا کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ اور پھر صرف اسی قدر نہیں بلکہ ابوہریرہؓ کے قول سے قرآن شریف کا باطل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قرآن شریف تو جابجا فرماتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ قیامت تک رہینگے انکا بکلی استیصال نہیں ہوگا اور ابوہریرہ کہتا ہے کہ یہود کا استیصال بکلی ہو جاویگا اور یہ سراسر مخالف قرآن شریف ہے جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے اسکو چاہیئے کہ ابوہریرہ کے قول کو ایک ردی متاع کی طرح پھینکدے“ پس یہ یقینی ہے کہ آیت زیر بحث میں موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ کہ عیسیٰؑ کی طرف۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ موتہ کی ضمیر عیسیٰؑ کی طرف راجع نہیں ہوتی تو خواہ بہ کی ضمیر عیسیٰ ہی کی طرف پھیر دیجاوے اور آیت کے کوئی سے بھی معنی کرلیے جاویں تو بھی اس آیت سے ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ مسیحؑ زندہ ہے وھو المراد۔ تعجب ہے کہ جن آیتوں کو خود متشابہات میں مانتے ہیں اور گذشتہ مفسرین نے بھی انکے معنوں میں ایکدوسری سے بڑا اختلاف کیا ہے انپر ایسے مہتم بالشان مسائل کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور محکمات کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ مگر معلوم ہے کہ یہ کن لوگوں کا کام ہے۔ سنیئے الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون

ما تشابه منه ابتغاء الفتنه - مگر آپنے دیکھا کہ ہم نے تو بفضل خدا اسکے تشابہ کو بھی ایسا اُڑا دیا ہے کہ اب یہ آیت محکمات میں سے بھی چوٹی کی آیتوں سے نظر آتی ہے۔ جسکی آنکھ ہو دیکھے ؂

حدیث سے وفات مسیحؑ کا ثبوت

مندرجہ بالا بیان سے ناظرین نے یہ بخوبی سمجھ لیا ہوگا کہ قرآن شریف عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے مسئلہ کو دُور سے ہی دھکے دے رہا ہے اور گو آیت من اصدق من الله قیلا اس بات کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتی کہ اس مسئلہ کے متعلق حدیث سے بھی گواہی تلاش کیجاوے لیکن ناظرین کی مزید تسلی کیلئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حدیث سے بھی مسیحؑ کی وفات کا کچھ ثبوت دیدیا جاوے۔ تا شک کی کوئی گنجائش نہ رہے سو واضح ہو کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا - اعمار امتی مابین ستین الی سبعین و اقلهم من یجوز ذالك (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹) یعنی میری اُمت کے لوگوں کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہُوا کرینگی۔ اور بہت ہی تھوڑے ہونگے جو اس حد سے تجاوز کرینگے - اب اگر مسیحؑ کو ایک اُمتی تصور کیا جاوے جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے تو اس صورت میں کیا یہ نہایت تعجب انگیز امر نہیں ہے کہ جس صورت میں بہت تھوڑے لوگوں نے ستر کی عمر سے تجاوز کرنا تھا۔ مسیح کو دو ہزار سال سے بھی زیادہ کی عمر دیجاوے پھر امام مسلم حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایک موقعہ پر فرمایا:۔ ما من نفس منفوسة الیوم یاتی علیها مائة سنة وهی یومئذ حية یعنی تمام وہ لوگ جو آج زندہ ہیں وہ ایک سَو سال گذرنے کے بعد زندہ نہ رہینگے۔ یہ حدیث بڑی صفائی کے ساتھ مسیح پر فاتحہ خوانی کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مسیح اب زندہ ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ نبی کریمؐ کے وقت بھی زندہ ہوگا۔ اور اگر اسوقت زندہ تھا۔ تو وہ سو سال کے اندر اندر قبر میں جا اترا ہوگا۔ پھر اسی پر بس نہیں اور لیجئے۔ ایک موقع پر نبی کریمؐ نے فرمایا:۔ ان عیسی ابن مریم عاش عشرين ومائة سنة (طبرانی عن فاطمہؓ) عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے ؎ یہ حدیث تو کسی شک و شبہ کی گنجائش چھوڑتی ہی نہیں بلکہ مسیحؑ کی عمر کی تعیین کر کے صاف طور پر اُنکی موت پر دلالت کر رہی ہے اور اس بحث کو آگے چلانیکی ضرورت باقی نہیں رہنے دیتی مگر ہمارا مطلب تو حتی الوسع تسلی کرانا ہے اسلیئے اور لیجئے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں:۔ لوکان موسیٰ وعیسیٰ حیین لما وسعهما الا اتباعی (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

"اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انکو بھی میری اطاعت کیے بغیر چارہ نہ ہوتا۔" سبحان اللہ اس حدیث نے تو صد ہی کر دی۔ مسیحؑ کی وفات پر مزار سورج چڑھا دیا اور اس مسئلہ کے کسی دُور سے دُور گوشہ میں بھی تاریکی کو نہیں رہنے دیا لیکن اس پر بس نہیں۔ معراج کی حدیث میں (بخاری و مسلم) نبی کریمؐ نے بیان فرمایا کہ جب مَیں دوسرے آسمان پر گیا تو مَیں نے وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیکھا۔ اب یہ مسلّم امر ہے کہ حضرت یحییٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور انکی روح اس جسم عنصری سے الگ ہو چکی ہے اسلئے ثابت ہوا کہ مسیحؑ بھی فوت شدہ ہیں کیونکہ مُردوں میں وہی رہتا ہے جو کہ مردہ ہو ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ مُردوں کے اندر ایک زندہ کو رکھ دیا جاوے۔ آپنے دیکھا کہ کس وضاحت کے ساتھ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ مسیحؑ کو مُردہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ قرآن شریف نے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ مسیح آسمان پر نہیں اُٹھایا گیا بلکہ اس کا رفع انہی معنوں میں ہوا جن معنوں میں تمام نیکو کاروں کا وفات کے بعد رفع ہوتا ہے پھر یہی نہیں مسیحؑ کے اپنے مُنہ سے اقرار کروا دیا کہ بھائیو مجھے خواہ مخواہ زندہ کیوں مان رہے ہو مَیں تو اپنی اُمّت کے بگڑنے سے پہلے کا فوت ہو چکا ہوں پھر اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ فرما دیا کہ دیکھو جسقدر نبی آنحضرتؐ سے پہلے گذرے وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ پھر حدیث مسیحؑ کی عمر بتا رہی ہے کہ ایک سو بیس سال ہوئی اور پھر صاف الفاظ میں کہ رہی ہے کہ اگر عیسیٰؑ اور موسیٰؑ زندہ ہوتے تو وہ بھی نبی کریمؐ کی اتباع کرتے۔ ان صاف دلیلوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی اگر کوئی اپنی ضد کو نہیں چھوڑتا تو اس کا اختیار ہے ہم نے اپنی طرف سے اتمام حجت کر دیا اب اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔

باب سوم

(مردے زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس نہیں آتے)

بعض لوگ جب مسیحؑ کی وفات کا ذکر کُھلا کُھلا قرآن شریف اور احادیث میں پاتے ہیں تو پھر وہ یہ پہلو اختیار کرتے ہیں کہ کیا ہوا اگر مسیحؑ فوت ہو گیا خدا اسکو زندہ کر کے دنیا میں دوبارہ لے آئیگا۔ اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ مردوں کا زندہ ہو کر اس دنیا میں آجانا اسلامی تعلیم اور سنّت الٰہیہ کے سراسر خلاف ہے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون۔ ثم انکم یوم القیٰمۃ تبعثون (مومنون رکوع اول)

"تم پیدا کیئے جانے کے بعد پھر فوت ہو گے اور پھر قیامت کے دن ہی دوبارہ زندہ کیئے جاؤ گے" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ مرنیکے بعد زندہ کیئے جانیکا وقت قیامت کا ہی دن ہے اور بس۔ پھر فرمایا ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون (سورۃ مومنون رکوع ۶) یعنی "جو آدمی مر جاتے ہیں انکے اور اس دنیا کے درمیان ایک روک ہو جاتی ہے قیامت کے دن تک" اس آیت نے وضاحت کے ساتھ اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ جو شخص مر جاوے وہ قیامت کو ہی زندہ کیا جائیگا۔ قیامت کے پہلے اس کے اور اس دنیا کے درمیان اللہ تعالیٰ نے روک رکھدی ہے جو صرف قیامت کو اٹھائی جاویگی۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے وحرام علی قریۃ اهلکنٰها انهم لا یرجعون (سورۃ انبیاء رکوع ۷) یعنی "جن لوگوں کو ہم مار دیتے ہیں انپر حرام ہے کہ وہ واپس لوٹیں" پھر نبی کریمؐ کی ایک حدیث ہے جو اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں جابرؓ کے والد شہید ہوگئے انسے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ جو مانگو گے میں تم کو دونگا انہوں نے عرض کیا کہ مجھ کو پھر زندہ کیا جاوے تا میں اسلام کے راستہ میں پھر لڑوں اور اپنی جان دوں۔ خدا نے جواب دیا۔ سبق القول منی انهم لا یرجعون (ترمذی عن جابرؓ) یعنی "ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ میں پہلے سے فیصلہ کر چکا ہوں کہ جو مر جاتے ہیں وہ پھر اس دنیا میں واپس نہیں آئینگے"* اس حدیث کے بعد میرے خیال میں کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں رہتی مگر آپ تعجب کرینگے کہ ہمارے مولوی ہیں کہ خدا تو الگ رہا مسیحؑ کی طرف حقیقی مردوں کا اسی دنیا میں زندہ کرنا منسوب کر رہے ہیں حالانکہ جن معنوں میں مسیحؑ نے مردے زندہ کیئے ان معنوں میں تو سب نبی مردے زندہ کرتے ہیں اور آنحضرتؐ نے سب سے زیادہ مردے زندہ کیئے۔ اصل میں مشکل یہ ہوتی ہے کہ کم علمی کی وجہ سے لوگ ہر لفظ کے ظاہری معنوں پر جم جاتے ہیں حالانکہ بعض وقت ایک لفظ استعارہ اور مجاز کے طور پر استعمال ہوتا ہے مثلاً قرآن شریف میں آیا ہے من کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الاٰخرة اعمیٰ (سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۸) یعنی "جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا" اسجگہ سب کو اتفاق ہے کہ اندھے سے روحانی اندھا مراد ہے نہ کہ جسمانی مگر معلوم نہیں مسیح کے معاملہ میں مردے سے کیوں روحانی مردہ نہیں مراد لیا جاتا ہے۔ نبی کریمؐ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے یا ایها الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰه وللرسول اذا دعاکم

* اسمیں غور طلب امر یہ ہے کہ خدا نے خود کہا کہ کچھ مانگو اور پھر مانگنے والا بھی شہید مگر چونکہ یہ سوال خدا کے صریح فیصلہ کے خلاف تھا اسلیئے [illegible]

لما یحییکم (سورۃ انفال رکوع ۳) یعنی "اے مومنو! تم اللہ کی بات مان لیا کرو اور رسولؐ کی جب وہ تمکو بلائے کیونکہ وہ تم کو زندہ کرتا ہے" دیکھیئے نبی کریمؐ کے متعلق کیسا صاف زندہ کرنے کا لفظ آیا مگر یہاں ہمارے مخالف بھی روحانی زندگی مراد لیتے ہیں لیکن جب عیسیٰؑ کے متعلق اسی قسم کے الفاظ آتے ہیں تو وہاں حقیقی مردوں کا زندہ کرنا مراد لے لیا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس!

ہمارے مخالف جب اس بات میں بھی تنگ آجاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف مُردوں کا اسی دنیا میں زندہ ہوجانے کو ممتنع قرار دیدیتا ہے تو پھر کہتے ہیں کہ کیا خدا قادر نہیں کہ مسیح اگر مر بھی گیا ہے تو اسکو زندہ کرکے اس دنیا میں لے آوے۔ دیکھئے اب یہ بھی کوئی دلیل ہے۔ کون انکار کرتا ہے کہ خدا قادر نہیں ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ کسی امر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ واقعی وہ بات وقوع میں بھی آگئی ہے۔ غور فرمائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ نبی کریمؐ کو زندہ کرکے دوبارہ دنیا میں لے آوے تو بس پھر ثابت ہوگیا کہ نبی کریمؐ زندہ ہوکر آجائینگے۔ پھر کیا خدا قادر نہیں کہ اسی وقت قیامت آجاوے تو بس ثابت ہوگیا کہ اسوقت قیامت آبھی گئی۔ ایسی دلیلیں سُنکر اس زمانہ کے مولویوں کی عقل وخرد پر رونا آتا ہے کہ ان کی حالت کیسی گر چکی ہے۔ بھائیو! خدا کی قدرت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ جس چیز پر اسکو قدرت ہے وہ واقعہ میں ہو بھی گئی۔ اس کا وقوع تو تب ثابت ہو جو اس بات کی دلیل دو کہ واقعہ میں خدا نے اس معاملہ میں اپنی قدرت کو استعمال کیا۔ ہم اسی بات کو تو ثابت کررہے ہیں کہ باوجود اسکے کہ خدا مردوں کو زندہ کرکے اس دنیا میں لانے پر قادر ہے پھر بھی اس نے اپنی سُنت مقرر کی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ اچھا بھلا یہ تو بتلایئے کہ اگر خدا کی قدرت پر ہی فیصلہ کرنا ہے تو کیا خدا اسپر قادر نہیں کہ اسی اُمت میں سے مسیح کو پیدا کردے۔ بلکہ غور فرمائیے تو خدا کی قدرت کا زیادہ جلوہ اس میں ہے کہ اسی اُمت میں سے مسیح موعود پیدا کرے نہ کہ پہلے مسیحؑ کو دوبارہ لادے۔ ایک چیز کو سنبھال سنبھال کر اسکو وہی رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے جو ڈرتا ہے کہ کہیں اگر یہ ضائع ہوگئی تو پھر میسر آنی مشکل ہوجائیگی لیکن جو قادر ہوتا ہے وہ سنبھال سنبھال کر نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب ضرورت ہوئی ایسی بیسیوں چیزیں پیدا کرلونگا۔ غرض خدا کی قدرت کا جلوہ تو

اس میں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی نیا مسیح بناکر اس اُمت میں بھیجے نہ کہ پہلے کو ہی واپس بھیجدے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اگر خدا نے کسی فوت شدہ کو ہی زندہ کرکے دوبارہ بھیجنا تھا تو پھر نبی کریم کو ہی کیوں نہ بھیجا جاوے کیا پہلا مسیح نبی کریم کی نسبت زیادہ اصلاح کریگا کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا ؀

Digitized by Khilafat Library

باب چہارم

(قرآن شریف و حدیث سے ثابت ہے کہ آنیوالا مسیح اور ہے جو اسی امت میں سے ہوگا)

اب جبکہ یہ ثابت ہوچکا کہ قرآن شریف اور احادیث اس بات پر متفقہ شہادت دے رہے ہیں کہ مسیح آسمان کی طرف بجسم عنصری نہیں اُٹھایا گیا بلکہ فوت ہوگیا اور یہ کہ جو فوت ہوجاتا ہے وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں لایا جاتا تو اس سے لازمی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ آنیوالا مسیح اسی اُمت میں سے ہوگا لیکن مزید تسلّی کے لیئے میں اس نتیجہ پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اگو بتاتا ہوں کہ قرآن شریف اور احادیث میں صاف صاف یہ لکھا ہے کہ آنیوالا مسیح اور ہے جو اسی اُمت میں سے ہوگا ؀

نبی کریم کے تمام خلفاء آپ ہی کی اُمت میں سے ہونگے

قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (سورۃ نور رکوع ۷) یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے کہ اللہ ضرور ضرور انکو زمین میں خلیفہ بنائیگا جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو انسے پہلے گذر چکے"۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے نبی کریم کے خلفاء بنائیگا جس طرح اس نے موسوی سلسلہ میں بنی اسرائیل سے موسیٰ کے خلیفے بنائے۔ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بیسیوں خلفاء بھیجے جو توریت کی خدمت کرتے تھے اور بنی اسرائیل کو سچائی کے راستوں میں قائم رکھتے تھے یہ سلسلہ خلفاء کا مسیح ناصری کے وجود میں اپنے کمال اور انتہا کو پہنچا۔ مسلمانوں کے ساتھ اسی قسم کے خلفاء کے سلسلہ کا وعدہ دیا گیا۔ اور ٹھیک جس طرح موسوی سلسلہ کا آخری خلیفہ اسرائیلی مسیح ہوا اسی طرح یہ آلہی فیصلہ

تھا کہ آخری ایام میں مسلمانوں کے درمیان ایک مسیحؑ بھیجا جاوے گا جو اسلامی سلسلہ خلفاء کے دائرہ کو پورا کرنیوالا اور کمال تک پہنچانیوالا ہوگا۔ آیت مندرجہ بالا ہم کو بتاتی ہے کہ موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مشابہت ہی جیسا کہ لفظ کما سے ظاہر ہے۔ اب اگر محمدی سلسلہ کا مسیحؑ موسوی سلسلہ کے مسیحؑ سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتا بلکہ وہی ہے تو مشابہت باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ مشابہت مغایرت کو چاہتی ہے یعنی یہ ضروری ہوتا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ دو مختلف چیزیں ہوں پس ثابت ہوا کہ محمدی مسیحؑ موسوی مسیحؑ سے الگ شخصیت رکھتا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ گو دونوں سلسلوں میں مشابہت عام طور پر بھی ہونی ضروری ہے مگر ان دونوں کے اوّل اور آخر میں آپسمیں مشابہت تو نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ اوّل اور آخر ہی سلسلہ کی تعیین کرنیوالے ہوتے ہیں۔ جب ہم دونوں سلسلوں کے اوّل یعنی موسیٰؑ اور آنحضرت علیہما السلام کے درمیان مشابہت کو قبول کرتے ہیں تو انکے آخر میں بھی مشابہت ضرور ماننی پڑتی ہے اور جب مشابہت ہوئی تو مغایرت لازمی طور پر مانی جائیگی۔ علاوہ اسکے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منکم کا لفظ رکھکر سارے جھگڑے کی جڑ کاٹ دی ہے اور صاف طور پر بتادیا ہے کہ محمدی سلسلہ کے خلفاء مسلمانوں میں سے ہی ہونگے۔ یہ مقام آنکھیں بند کرکے گذر جانیوالا نہیں ہے آپ اچھی طرح غور فرمالیں کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے کہ جیسے موسیٰؑ کے بعد توریت کی خدمت کے لیئے خلفاء مبعوث کیئے گئے اسی طرح نبی کریمؐ کے بعد قرآن اور اسلام کیخدمت کے لیئے خلفاء بھیجے جائینگے اور یہ خلفاء مسلمانوں میں سے ہی ہونگے تو اب پھر یہ کسقدر ظلم ہے کہ اپنی ضد پوری کرنے کیلیئے محمدی سلسلہ کا آخری اور سب سے عالیشان خلیفہ بنی اسرائیل میں سے تصوّر کیا جاوے اور اس طرح خدا کے وعدے کو جو اس نے منکم کے لفظ میں کیا ہے ردّی کی طرح پھینک دیا جاوے۔ جس شخص کے دل میں ذرا بھی ایمان ہو وہ کبھی بھی اس بات کی جرأت نہیں کرسکتا۔ خدا تو صاف الفاظ میں فرمارہا ہے کہ دیکھو مسلمانو میں تمھارے اندر اسلام کی خدمت کے لیئے جو خلیفے بھیجونگا وہ تم میں سے ہی ہونگے لیکن ہمارے مولویوں کے دل مسیح ناصری کی محبت میں ایسے شرک کے مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ خدا کے صریح وعدہ کے خلاف خواہ مخواہ اپنی اصلاح کے لیئے بنی اسرائیل کے قدموں پر گر رہے ہیں۔

خدا انکو اُٹھانا چاہتا ہے اور ان کی عزت قائم کرنا چاہتا ہے اور ان پر انعام کرنا چاہتا ہے مگر وہ اپنی ذلت چاہ رہے ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ دیکھو مَیں تم پر انعام کرتا ہوں کہ تمہارے اندر خلفاء تم میں سے ہی بھیجے جائینگے مگر مسلمان ہیں کہ چھوٹے موٹے خلفاء کی نسبت تو مانتے ہیں کہ اسی اُمت میں سے ہی ہونگے مگر جب آخری اور عظیم الشان خلیفہ کا سوال آتا ہے تو اسوقت بنی اسرائیل کی طرف دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ خدا اس قوم پر رحم کرے یہ کہاں آکر گری۔ قرآن خیر الامم مسلمانوں کو قرار دے رہا ہے۔ مگر مسلمان یہ تو ایمان رکھتے ہیں کہ یہود بننے کے لیئے ہم ہی ہیں۔ مگر مسیح کو بنی اسرائیل سے لاتے ہیں۔ ہائے افسوس کیا مسلمانوں کے حصہ میں یہودیت ہی رہ گئی ہے۔ اور مسیح باہر سے آئیگا ٭

مسیح ناصری دوبارہ نازل نہیں ہونگے

پھر آیت فلمّا توفّیتنی (سورہ مایدہ ۱۶) جو وفات مسیحؑ کے ثبوت میں درج کی جا چکی ہے وہ اس مسئلہ میں بھی بطور ثبوت پیش کیجا سکتی ہے کیونکہ بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ فلمّا توفیتنی کے یہ معنی ہیں کہ جب تو نے مجھے پورا اُٹھا لیا اور پھر ہم بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ اُٹھا لینے سے آسمان ہی کی طرف اُٹھا لینا مراد ہے پھر بھی یہ آیت اس بات پر قطعی ثبوت ہے کہ مسیح آسمان سے نازل نہیں ہوگا کیونکہ یہ بہر حال مسلّم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ قیامت کے دن اپنی اُمت کے بگڑ جانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کرینگے لہٰذا ثابت ہوا کہ قیامت کے دن سے پہلے وہ اپنی اُمت کو فساد کی حالت میں کبھی نہیں دیکھیں گے یعنی یہ ان کو کبھی علم نہیں ہوگا کہ میری اُمت نے مجھے معبود بنا لیا لیکن ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اگر مسیح ناصری ہی آخری دفعہ میں نازل ہوں تو یہ یقینی ہے کہ ان کو اپنی اُمت کے بگڑ جانے کا علم ہو جائیگا خاصکر جب مسیح موعودؑ کا بڑا کام ہی کسر صلیب ہے تو اس صورت میں لاعلمی کا اظہار کیسا۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اگر بفرض محال مسیح آسمان پر تشریف بھی لے گئے ہیں تو پھر بھی آنیوالا مسیح یقیناً اور ہے اور مسیح ناصری صاحب وہیں آسمان پر کسی جگہ فوت ہو کر دفن کر دیئے گئے ہونگے کیونکہ بہر حال ان کا آسمان پر ہونا انکو موت سے تو نہیں بچا سکتا ملاحظہ ہو کل نفسٍ ذائقۃ الموت نیز یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیّدۃ ٭

حدیث صاف طور پر بتا رہی ہے کہ مسیح موعود اسی اُمت میں سے ہو گا

پھر قرآن شریف ہی نہیں بلکہ حدیث بھی صاف الفاظ میں بتا رہی ہے کہ مسیح موعود اسی اُمت مرحومہ میں سے ہے نبی کریمؐ فرماتے ہیں: کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم (بخاری کتاب بدأ الخلق) ’’کیا ہی اچھا حال ہو گا تمہارا اے مسلمانو جب مسیحؑ ابن مریم تم میں نازل یعنی ظاہر ہونگے اور وہ امام ہونگے تمہارے تمہیں میں سے‘‘ ٭ یہ حدیث صاف اور غیر تاویل طلب الفاظ میں بتا رہی ہے کہ مسیح موعودؑ مسلمانوں میں سے ہی ایک فرد ہو گا جو مسلمانوں کا امام ہو گا جیسا کہ امامکم منکم کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں۔ بیشک آنیوالے کو ابن مریم کے نام سے یاد کیا گیا ہے مگر منکم کا لفظ بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ ابن مریم وہ نہیں جو پہلے ہو گذرا بلکہ یہ اے مسلمانو تم میں سے ہی ایک شخص ہو گا۔ اگر موعود مسیح گذشتہ مسیح ناصری ہی ہے تو منکم کے کیا معنی ہوئے؟ خدارا آپ ٹھنڈے دل سے غور فرماویں کہ کیا منکم کا لفظ مسیح ناصری کے متعلق

٭ بعض لوگ اس حدیث کے ایسے غلط معنی کرتے ہیں کہ ہنسی آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ الفاظ امامکم منکم مسیحؑ کے متعلق نہیں ہیں بلکہ یہ مہدی کے متعلق ہیں جو مسیحؑ کے زمانہ میں مبعوث ہو گا اور مسلمانوں کا امام ہو گا۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ ہم نے یہ حدیث صحیح بخاری سے لی ہے جس میں مہدی کے ظہور کا کوئی باب ہی نہیں باندھا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ مہدیؑ کے متعلق احادیث میں ایسی گڑبڑ ہے کہ کسی حدیث کے متعلق کامل وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح ہے۔ تو اب اگر اس حدیث میں امامکم منکم کے الفاظ مہدی کے بارہ میں ہوتے تو امام بخاری صاحب جو محدثین کے مسلّم امام ہیں وہ مہدی کا باب باندھ کر اس حدیث کو مہدی کے نزول کے ضمن میں بھی بیان کرتے۔ لیکن وہ یہ حدیث صرف مسیح کے متعلق لائے ہیں اور مہدی کا ذکر تک نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے کبھی شکی طور پر بھی امامکم منکم کا اشارہ مہدی کی طرف نہیں سمجھا کیونکہ اگر وہ ایسا سمجھتے تو وہ اس صحیح حدیث کو مہدی کے نزول کے ثبوت میں پیش کرتے۔ یہی حال امام مسلم کا ہے۔ بلکہ امام مسلم نے تو امامکم کی جگہ امّکم کی روایت بیان کرکے فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ منہ

ساری امیدوں پر پانی نہیں پھیر دیتا؟ یہ میں آگے چلکر بتاؤنگا کہ مسیح ابن مریم کے الفاظ استعمال کرنے میں کیا بھید تھا مگر فی الحال آپ اتنا دیکھیں کہ کیا منکم کے لفظ نے اسرائیلی مسیح کی آمد کے عقیدہ کو جڑھ سے کاٹ کر نہیں رکھدیا۔ میں تعجب اور حیرت کے دریا میں غرق ہو ہو جاتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ لوگ تو بھلائی کو اپنی طرف منسوب کرنیکے اسقدر شائق ہوتے ہیں کہ جس چیز کا انکو حق نہیں پہنچتا اسے بھی اپنی طرف منسوب کرنے سے نہیں رکتے۔ مگر یہ قوم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نعمت عطا ہوئی ہے اسکو بھی اپنی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتی۔ خاتم النبیین خبر دے رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم میں ایک مسیح ظاہر ہوگا جو تمہیں میں سے تمہارا ایک امام ہوگا مگر مسلمان کہتے ہیں کہ بھلا یہ نعمت اس امت کو کہاں نصیب ہوگی۔ میں ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ پھر اس حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالیں جو یہ ہیں:۔ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم کیا ہی خوش حال ہوگا تمہارا اے مسلمانو جب مسیح ابن مریم تم میں ظاہر ہونگے اور وہ تمہیں میں سے تمہارے ایک امام ہونگے۔ غور فرمائیے کس طرح نبی کریمؐ اس خیال سے خوشی میں مست ہو رہے ہیں کہ میری امت میں سے ایک اتنا عظیم الشان انسان ظاہر ہوگا۔ انصاف کا مقام ہے اسرائیلی مسیح کے آنے میں اس امت مرحومہ کے لیئے کونسی خوشی ہے۔ وہ تو اس امت کیلئے ماتم کا دن ہوگا جبکہ اسکی اصلاح کے لیئے کسی بیرونی آدمی کی ضرورت ہوگی کیونکہ اسکے یہ معنی ہونگے کہ نبی کریمؐ کی قوت قدسیہ اس امت میں سے کسی مصلح کو پیدا نہیں کر سکی۔ کیا نبی کریمؐ اس بات پر خوشی منا رہے ہیں کہ جب میری امت میں فساد برپا ہوگا تو میری امت کے اندر کوئی شخص اس قابل نہ ہوگا کہ اصلاح کا کام کر سکے بلکہ خدا کو ضرورت پیش آئیگی کہ اسرائیلی مسیحؑ کو نازل کرے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

دونوں مسیحوں کے الگ الگ فوٹو موجود ہیں۔

غرض مسیح موعودؑ کے متعلق امامکم منکم کے الفاظ فرما کر نبی کریمؐ نے سارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیا ہے اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی مگر آپکی شفقت کو دیکھیئے کہ باوجود صاف لفظوں میں بتا دینے کے کہ مسیح موعودؑ میری امت میں سے ہوگا آپ اس مسئلہ پر

خاموش نہیں ہوئے بلکہ مزید تشریح فرمائی تا مسیح ناصری کے متعلق مسلمانوں کے دلوں سے بالکل خیال نکال دیا جاوے۔ آپ فرماتے ہیں رأیت عیسٰی و موسٰی و ابراھیم فاما عیسٰی فاحمر جعد عریض الصدر و اما موسٰی فادم جسیم سبط کانہ من رجال الزط و اما ابراھیم فانظر والی صاحبکم (صحیح بخاری) "یعنے میں نے عیسٰی اور موسٰی اور ابراہیم کو دیکھا (کشف میں) عیسٰی جو تھے تو سرخ رنگ کے تھے اور انکے بال گھنگرالے تھے اور ان کا سینہ چوڑا تھا موسٰی گندم گوں رنگ تھے اور بھاری جسم کے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی قبیلہ زط سے آدمی ہو اور ابراہیم کو دیکھنا ہو تو بس مجھے دیکھ لو" اس حدیث میں نبی کریمؐ نے عیسٰی بن مریم کا حلیہ بیان کیا ہے جو یہ ہے کہ عیسٰیؑ بن مریم سرخ رنگ کے تھے اور انکے بال گھنگرالے تھے۔ اس بات کا ثبوت کہ یہاں عیسٰی سے گذشتہ عیسٰیؑ مراد ہیں خود اس حدیث میں موجود ہے اور وہ یہ کہ انکو گذشتہ انبیاء موسٰیؑ اور ابراہیمؑ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ براہِ مہربانی آپ ذرا حضرت عیسٰیؑ کے اس حلیہ کو خوب یاد رکھیں۔ پھر ایک دوسری حدیث میں نبی کریمؐ فرماتے ہیں بینما انا نائم اطوف بالکعبۃ فاذا رجل ادم سبط الشعر فقلت من ھٰذا قالوا ھٰذا المسیح بن مریم (صحیح بخاری) "یعنے میں نے خواب میں کعبہ کا طواف کیا اچانک میں نے ایک آدمی دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا اور اسکے بال سیدھے اور لمبے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے لوگوں نے کہا کہ یہ مسیح بن مریم ہے" دیکھیے اس حدیث میں نبی کریمؐ آنیوالے مسیحؑ کا حلیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ گندم گوں ہے اور اسکے بال سیدھے اور لمبے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ یہاں مسیح سے مراد آنیوالا مسیحؑ ہے خود اسی حدیث میں موجود ہے کیونکہ اسی حدیث میں آگے چلکر نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اسوقت دجّال کو بھی دیکھا جس سے ظاہر ہے کہ یہ مسیحؑ وہ ہے جو دجّال کے مقابل پر ظاہر ہوگا۔ اب معاملہ بالکل صاف ہے حضرت عیسٰی علیہ السّلام جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ان کا رنگ سُرخ تھا اور بال گھنگرالے لیکن آنیوالا مسیحؑ جو دجّال کے زمانہ میں ظاہر ہوگا اس کا رنگ گندم گوں ہے اور اسکے بال سیدھے اور لمبے ہیں۔ دونوں حلیوں میں فرق ظاہر ہے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ کہاں سُرخ رنگ اور کہاں گندم گوں پھر کہاں گھنگرالے بال اور کہاں سیدھے دیکھیے کس طرح نبی کریمؐ نے صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ ابن مریم کے لفظ سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسرائیلی مسیحؑ ہی تم میں

نازل ہونگے کیونکہ ان کا رنگ سُرخ تھا اور بال گھنگرالے تھے۔ لیکن آنیوالے مسیح کا رنگ گندم گوں ہوگا اور بال گھنگرالے نہیں ہونگے بلکہ سیدھے اور لمبے ہونگے۔ اس سے زیادہ وضاحت کیا ہوگی۔ دونوں مسیحوں کی تصویر ناظرین کے سامنے رکھدی گئی ہے اور تصویر بھی نبی کریمؐ کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی ہے۔ ناظرین خود فیصلہ کریں کہ کیا دونوں تصویروں میں ایک شخص کی صورت نظر آرہی ہے جسکو خدا نے آنکھیں دی ہیں وہ تو دونوں کو ایک نہیں کہہ سکتا۔ سُنیئے حضرت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں:۔

موعودم و بحلیۂ ماثور آمدم — حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم
رنگم چو گندم است و بمو فرق بیّن است — زانساں کہ آمد است در اخبار سرورم
ایں مقدمم نہ جائے شکوک است و التباس — سید جدا کند ز مسیحائے احمرم

لفظ نزول پر بحث باب اوّل میں کی جاچکی ہے اسجگہ اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ؛

آیت انه لعلم للساعة پر ایک سرسری نظر۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک مختصر سا نوٹ آیت انه لعلم للساعة فلا تمترن بها پر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اور سب طرف سے امید منقطع دیکھکر بعض اوقات ہمارے مخالف مولوی اس آیت سے مسیح ناصری کی قرب قیامت میں آمد نکالا کرتے ہیں۔ مگر ابھی آپ دیکھینگے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کچھ ہو تو ہو مگر یہ آیت انکے مطلب کیلئے اتنا کام بھی نہیں دیتی اوّل تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اس آیت کے معنوں پر سب مفسرین کو اتفاق ہے۔ کیا سب علماء اس سے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیح قرب قیامت میں نازل ہوگا۔ سُنیئے اس آیت میں بہت مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ انه میں ضمیر قرآن شریف کی طرف جاتی ہے نہ کہ عیسیٰؑ کی طرف یعنی آیت کے اصل معنی یہ ہیں کہ قرآن شریف میں قیامت کی دلیل ہے۔ کیونکہ جس سورۃ میں یہ آیت واقع ہوئی ہے یعنی سورۃ زخرف اسمیں قرآن شریف کا بہت ذکر ہے اور کئی دفعہ انه کا لفظ استعمال کر کے قرآن شریف کی طرف ضمیر پھیری گئی ہے اسی واسطے بہت مفسرین نے اس کو قرآن شریف ہی کی طرف راجع مانا ہے۔ ہاں بعض نے انه کی ضمیر بیشک عیسیٰؑ کی طرف پھیری ہے لیکن ایسے مفسرین کے بھی آگے دو گروہ ہو جاتے ہیں بعض تو آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ قیامت کی نشانی ہیں یعنی وہ قیامت کے قریب نازل ہونگے مگر بعض نے یہ معنی کیے ہیں کہ عیسیٰ قیامت کی

ایک دلیل ہیں۔ گذشتہ مفسرین تو "اَلْسَّاعَۃ" ہی مراد لیتے ہیں) اگرچہ خود اس زمانہ کے بعض غیر احمدی علماء یہ معنی کرتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی ہی کا ترجمہ لے لیجئے۔ مولوی صاحب اس آیت کے ٹھیک وہی معنی کرتے ہیں جو اوپر درج کیئے گئے یعنی "عیسیٰ بھی قیامت کی ایک دلیل ہیں" اور پھر اس پر ایک نوٹ لکھتے ہیں جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ "یعنی جو خدا عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ قیامت میں مردوں کو جِلا اُٹھائے یا یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ دنیا میں آنا قرب قیامت کی دلیل ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے" دیکھئے اسجگہ مولوی نذیر احمد صاحب آیت کے اصل معنی یہی لکھتے ہیں کہ مسیحؑ کی معجزانہ پیدائش قیامت پر ایک دلیل ہے اور گو انہوں نے دوسرے معنی بھی بیان کیئے ہیں مگر پہلے انہی معنوں کو رکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک زیادہ قابل قبول یہی معنی تھے۔ پھر بعض مفسرین نے انہ میں ضمیر کو محمد رسول اللہ کی طرف پھیرا ہے۔ ان حالات کے ماتحت آپ خود غور فرمادیں کہ کیا یہ آیت ایسے عظیم الشان مسئلہ کیلئے بنیادی پتھر تصوّر کی جا سکتی ہے۔ کیا آپ کا نورِ قلب اس بات کے قبول کرنے کو تیار ہے کہ مسیحؑ کی آمد ثانی کے مسئلہ کا ایک ایسی آیت پر مدار ہو جس میں اکثر مفسرین کے نزدیک مسیحؑ کا کوئی ذکر تک نہیں بلکہ ضمیر قرآن شریف کی طرف پھرتی ہو۔ اور پھر ایک دوسرے گروہ کے نزدیک بھی آیت میں مسیحؑ کا ذکر تک نہ ہو بلکہ ضمیر محمد رسول اللہ ﷺ کیطرف راجع ہوتی ہو اور صرف ایک قلیل گروہ کے خیال میں ضمیر عیسیٰؑ کی طرف پھرتی سمجھی جاوے لیکن اس خیال کے مفسرین بھی آپس میں دست بگریبان ہوں۔ کوئی کہتا ہو کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ مسیحؑ بوجہ اپنی معجزانہ اور خارق عادت پیدائش کے قیامت پر ایک دلیل تھے اور کوئی کہے کہ نہیں چونکہ وہ قرب قیامت میں نازل ہونگے اسلیئے انکو قیامت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ ایکدفعہ دہلی میں مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی نے حضرت مرزا صاحبؑ کے سامنے یہی آیت پیش کی تھی اسپر حضرت مرزا صاحبؑ نے جو جواب دیا وہ یہ ہے۔ "چوتھی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا اسجگہ بھی آپ مان گئے ہیں کہ یہ آیت آپکے مطلب پر قطعیۃ الدلالت نہیں ہے۔ لیکن میں آپکو محض للہ یاد دلاتا ہوں کہ اس آیت کو حضرت مسیحؑ کے دوبارہ نزول سے کسی طور پر بھی کچھ تعلق نہیں بات یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے وقت میں یہودیوں میں ایک فرقہ صدوقی نام تھا جو قیامت سے منکر تھے پہلی کتابوں میں بطور پیشین گوئی کے لکھا گیا تھا کہ انکو

سمجھانے کیلئے مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوگی۔ اور یہ کہ اسکے لئے ایک نشان قرار دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ جلشانہٗ دوسری آیت میں فرماتا ہے ولنجعلہ اٰیۃ للناس اسجگہ الناس سے مراد یہی صدوقی فرقہ ہے جو اس زمانہ میں بکثرت موجود تھا چونکہ توریت میں قیامت کا ذکر بظاہر کسی جگہ معلوم نہیں ہوتا اسلئے یہ فرقہ مردوں کے جی اٹھنے سے بکلی منکر ہو گیا تھا۔ ابتک بائیبل کے بعض صحیفوں میں موجود ہے کہ مسیح اپنی ولادت کے رو سے بطور علم الساعۃ کے انکے لئے آیا تھا۔ اب دیکھئے اس آیت کو نزول مسیح سے تعلق کیا ہے اور آپکو معلوم ہے کہ مفسرین نے کسقدر جدا جدا طور پر اسکے معنی لکھے ہیں ایک جماعت نے قرآن کریم کی طرف ضمیر انہ کی پھیر دی ہے کیونکہ قرآن کریم سے روحانی طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں اور اگر خواہ نخواہ تحکم کے طور پر اسجگہ نزول مسیح مراد لیا جائے اور وہی نزول ان لوگوں کے لئے جو آنحضرت صلعم کے عہد میں تھے نشان قیامت ٹھیرایا جائے تو یہ استدلال وجود قیامت تک ہنسی کے لائق ہوگا اور جنکو یہ خطاب کیا گیا کہ مسیح آخری زمانہ میں نازل ہو کے قیامت کا نشان ٹھیریگا! تم باوجود اتنے بڑے نشان کے قیامت سے کیوں انکاری ہوئے۔ وہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ دلیل تو ابھی موجود نہیں پھر یہ کہنا کسقدر عبث ہے کہ اب قیامت کے وجود پر ایمان لے آؤ شک مت کرو ہم نے دلیل قیامت کے آنیکی بیان کردی" آپ غور فرماویں کہ واقعی یہ کسقدر ہنسی کے قابل بات ہے کہ جو چیز آئندہ کسی زمانہ میں ہونی ہے اسکو ان لوگوں کیلئے دلیل ٹھیرایا جاوے جو اب موجود ہیں۔ مسیح نے تو آئندہ کبھی جا کر نازل ہونا تھا لیکن اسکے نزول کو نبی کریمؐ کے زمانہ کے منکرین قیامت کے سامنے بطور دلیل کے پیش کیا جا رہا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر ہمارے مخالف مولویوں کے معنی قبول کئے جاویں تو نعوذ باللہ قرآن شریف دلائل کی رو سے ایک نہایت بودی کتاب نظر آتی ہے غور تو کیجئے کہ نبی کریمؐ کے مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو مسیحؑ کا دوبارہ قرب قیامت میں نازل ہونا قیامت کی ایک دلیل ہے پس تم قیامت کے متعلق کسی شک میں نہ پڑو۔ کیا اس سے بھی زیادہ کوئی لغو دلیل ہو گی۔ موجودہ لوگوں کیلئے تو جو چیز واقع ہو چکی ہو یا انکی زندگی میں واقع ہو جانیوالی ہو اسکو کسی آئندہ واقع ہونیوالی چیز کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے مگر یہ دلیل عجیب ہے کہ دیکھو تمہارے مرنے کے بعد مسیحؑ آخری دنوں میں نازل ہوگا پس اسلئے تم قیامت کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کی طرف ایسی لغو اور بیہودہ دلائل

منسوب کرنا میرے خیال میں معصیت میں داخل ہے مگر چودھویں صدی کے مولویوں کو کون سمجھاوے۔ مولویوں کے نام سے مجھے ایک واقعہ یاد آگیا سنائے دیتا ہوں۔ ایک مشہور غیر احمدی مولوی سے کسی نے دریافت کیا کہ عیسائی وغیرہ اعتراض کرتے ہیں کہ تاریخی طور پر نبی اسلام کا نام تو احمد ثابت نہیں ہوتا یعنی اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ نبی اسلام کے بزرگوں کی طرف سے انکا نام احمد رکھا گیا ہو یا دعوے سے پہلے انکو کبھی اس نام سے پکارا گیا ہو بلکہ نام انکا محمدؐ ہی تھا اور احمد نام کو تو انہوں نے دعویٰ نبوت کے بعد اپنی طرف منسوب کیا تو اس صورت میں یہ کس طرح مان لیا جاوے کہ جو مسیحؑ نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ ایک احمد رسول ظاہر ہوگا وہ نبی اسلام ہی تھے تو اسپر مولوی صاحب فوراً بولے کہ یہ کیا بیہودہ اعتراض ہے۔ جب نبی کریمؐ نے فرما دیا کہ وہ احمد مَیں ہی ہوں تو پھر اعتراض کیسا۔ سوال پوچھنے والا مولوی صاحب کی طرح عقل سے عاری نہ تھا وہ سمجھ گیا کہ بات کو آگے چلانا فائدہ مند نہ ہوگا اجازت چاہی اور سلام عرض کر کے سامنے سے اُٹھ آیا۔ مولوی صاحب اپنے دل میں خوشی سے پھولے نہ سماتے ہونگے کہ آج وہ دلیل بیان کی کہ معترض کو سوائے خاموشی کے کچھ بن نہ آئی۔

بابِ پنجم

(بعض شبہات کا ازالہ اور خاتمہ)

اسقدر لکھنے کے بعد مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی ذرا ٹھیریئے۔ اور غور کیجیئے۔ کس طرح ہم نے قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت کر دیا ہے کہ مسیح ناصری آسمان کی طرف زندہ نہیں اُٹھائے گئے بلکہ انکا انہی معنوں میں رفع ہوا جن معنوں میں تمام مقربین بارگاہ الٰہی کا رفع ہوا کرتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہ بھی روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ قرآن شریف اور احادیث پکار پکار کر گواہی دے رہی ہیں کہ مسیح ناصری فوت ہو چکا ہے اور جو وفات پا جاتا ہے سُنّت اللہ اسکی واپس دنیا میں زندہ ہو کر آنے کو ممتنع قرار دیتی ہے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ کلام اللہ اور اقوال الرسول سے صاف صاف آپکو دکھا دیا گیا کہ نبی اکرمؐ کے تمام خلفاء اسی اُمّت مرحومہ میں سے ہونگے بلکہ مسیح موعودؑ کیلئے خصوصیت کے ساتھ آپکے سامنے الفاظ اماماً منکم نکال کر رکھدیئے گئے اور بالآخر آپ کی کامل تسلی کے لیئے ہم خاتم النبیین کے ہاتھ کے کھینچے ہوئے دونوں مسیحوں کے الگ الگ فوٹو آپکے سامنے رکھدیئے۔ اس سے زیادہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مگر مَیں ناظرین پر یہ

ظلم کرنیوالا ہونگا اگر میں یہ خیال کروں گا ان عظیم الشان شہادتوں کے ہوتے ہوئے انکے دل میں ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ خیال آسکتا ہے کہ مسیحؑ ناصری زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور کسی زمانہ میں زمین پر نازل ہونگے۔ ہاں اب انکے دل میں یہ خلجان ہونا ایک طبعی امر ہے کہ جب قرآن شریف اور احادیث اور صحابہؓ کے اقوال اس صفائی سے مسیحؑ پر فاتحہ خوانی کر رہے ہیں تو تمام اُمت اتنی صدیوں سے مسیحؑ کو کیوں زندہ مانتی چلی آئی ہے؟

حیات مسیحؑ کے عقیدہ پر اُمت محمدیہ کا اجماع کبھی نہیں ہوا

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ تمام اُمت کا اس عقیدہ پر اجماع رہا ہے سلف صالحین میں سے بہت لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے مسیحؑ ناصری کی وفات کا اقرار کیا ہے۔ کیا آپکو یاد نہیں رہا کہ سب سے پہلا اجماع جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ کا ہوا وہ اسی بات پر تھا کہ آنحضرتؐ سے پہلے جتنے نبی ہوئے وہ سب فوت ہو چکے ہیں پھر ابن عباسؓ نے متوفیك کے معنی ممیتك بیان کر کے اپنی عقیدہ کا اظہار کر دیا اور امام بخاریؒ نے اسکو اپنی صحیح میں درج کر کے اپنی مہر کردی۔ پھر مجمع البحار میں لکھا ہے والاکثر ان عیسیٰ علیہ السلام لم یمت وقال مالك مات یعنی اکثر کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ پھر ابن حزم کی نسبت لکھا ہے کہ وتمسك ابن حزم بظاهر الآیة وقال بموته یعنی ابن حزمؒ نے ظاہر آیت پر تمسک پکڑا ہے اور مسیحؑ کی وفات بیان کی ہے پھر محی الدین ابن عربیؒ تو فرماتے ہیں کہ مسیحؑ کا دوسرا نزول بروزی طور پر ہوگا یعنی مسیحؑ خود نہیں آئینگے بلکہ انکا کوئی بروز آئیگا جو انکی خو بو پر ظاہر ہوگا*۔ ان مثالوں سے آپ پر یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اُمت کا اس باطل مسئلہ پر اجماع رہا ہے بلکہ خلاف اسکے اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اگر اُمت کا کسی مسئلہ پر کبھی اجماع ہوا ہے تو وہ وفات مسیحؑ ہی کا مسئلہ ہے جیسا کہ آنحضرت کی وفات کے بعد صحابہؓ کا ہوا اور صحابہؓ کے زمانہ کے بعد تو اُمت محمدیہ کثرت کے ساتھ دور دراز ملکوں میں پھیل گئی اسلیئے صحابہؓ کے بعد کے زمانہ میں کسی مسئلہ کے متعلق اجماع کا دعویٰ کر دینا تو آسان ہے لیکن اسکو ثابت کرنا ناممکنات سے ہے اسی لیئے امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں کہ جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ کئی صدیوں سے مسیحؑ کی حیات کا مسئلہ عام طور پر لوگوں میں پھیلا ہوا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کسی غلط عقیدہ کا عام طور پر رائج ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ دیکھیئے آجکل مسلمانوں کے کم از کم بہتر فرقے ہو رہے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ وہ سب اپنی عقائد میں درست ہوں۔ اگر درست ہیں تو اختلاف کیسا۔ اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ بعض غلط عقائد

*یہ چند مثالیں صرف بڑے لوگوں کی بیان ہوئی ہیں۔ انکے متبعین الگ رہے۔ مصنف

مسلمانوں کے اندر آ گھسے۔ آپ مجھے بتائیں کہ وہ غلط عقائد کہاں سے آ گئے۔ قرآن شریف اور حدیث نے تو یقیناً صحیح عقائد ہی بیان کیئے ہونگے پھر انکے ہوتے ہوئے انکے خلاف غلط عقائد کیسے داخل ہو گئے؟ جو جواب آپ دینگے وہی میری طرف سے سمجھ لیجئے۔ مگر میں صرف الزامی جواب دیکر آپکو ساکت نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا منشاء تو یہ ہے کہ کسی طرح آپکی تسلی ہو اسلیئے سنیئے!

حیات مسیح کا عقیدہ کسطرح مسلمانوں کے اندر آگیا؟

آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جب اسلام کی فتوحات کا زمانہ تھا اسوقت عیسائی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے اور یہ فطرتی تقاضا ہے کہ انسان اپنے پرانے خیالات کو آہستہ آہستہ چھوڑتا ہے۔ ہمارے ملک میں ایک مثل مشہور ہے کہ رام نکلتے نکلتے ہی نکلیگا اور اللہ کا نام داخل ہوتے ہوتے ہی ہوگا آپ اسی پر قیاس کر لیں کہ یہ لوگ جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے تھے وہ گو اسلام کی صداقت کو مان کر ہی مسلمان ہوتے تھے لیکن طبعاً خیالات میں یکلخت پورا انقلاب نہ ہونیکی وجہ سے وہ بہت سے عیسائی خیالات اپنے ساتھ لاتے تھے جن کا ایک دن میں دل سے نکل جانا ممکن ہوتا تھا۔ ان لوگوں کے دلوں سے مسیح ناصری کی بیجا محبت شرک کے مقام سے تو بیشک نیچے گر گئی تھی لیکن ابھی کلی طور پر دل سے نہیں نکلی تھی۔ اسلیئے قرآن شریف اور احادیث میں جہاں کہیں مسیح کا ذکر آتا ہے وہاں طبعاً ان لوگوں نے کچھ حاشیے چڑھائے اور مسلمان آہستہ آہستہ انکے خیالات سے متاثر ہوتے گئے۔ جبتک صحابہؓ میں کا ایک کثیر حصہ زندہ رہا اسوقت تک تو ایسا اثر قطعی ناممکن تھا لیکن صحابہؓ کے زمانہ کے بعد خود جدید مسلمان بھی ایک حد تک ان نو مسلموں کے اثر کے نیچے آ گئے اور اسطرح آہستہ آہستہ بعض غلط عقائد مسلمانوں کے اندر رائج ہو گئے۔ بھلا آپ مجھے فرمادیں کہ قرآن شریف میں جو مسیح ناصری کے متعلق آتا ہے کہ اس نے مردے زندہ کیئے۔ اسکے صاف یہ معنی تھے کہ وہ جو روحانی طور پر مردہ تھے انکے اندر اس نے زندگی کی روح پھونکی جسطرح تمام نبیوں کا کام ہے۔ خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں کہ اے لوگو! جب تم کو خدا کا رسول زندہ کرنیکے لیئے بلائے تو اسکی بات مان لیا کرو مگر باوجود اسکے مسیح کیلیے جب زندہ کرنیکے الفاظ آئے تو وہاں ان لوگوں نے حقیقی مردوں کو زندہ کرنا سمجھ لیا۔ اسی طرح قرآن میں جو کہیں مسیح کے متعلق خلق کا لفظ آگیا تو اسکو حقیقی طور پر خالق ہی مان لیا گیا حالانکہ ایسے الفاظ بطور استعارہ کے بھی ہوتے ہیں۔ یہی حال اس مسئلہ میں ہوا۔ عیسائی مذہب میں پہلے سے ہی مسیح کی دوبارہ آمد کی خبر موجود تھی جسے تمام عیسائی لوگ خود مسیح کا دوبارہ آنا سمجھتے تھے جب یہ لوگ اسلام کے اندر آئے تو انہوں نے اسلام میں

یہی وجہ ہے کہ ہمارے گذشتہ مفسرین قرآن شریف کی تفسیر کرتے ہوئے خواہ مخواہ اسرائیلی کہانیاں بیان کرنے ...

بھی مسیح کی آمد کی خبر پائی جس سے فوراً انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ وہی خبر ہے جو عیسائیت میں تھی کہ مسیح دوبارہ آئیگا پھر سے آگے لفظ نزول کا بھی مل گیا بس پھر کیا تھا۔ اس خیال پر پختہ طور پر جم گئے کہ اسرائیلی مسیح بذات خود آخری ایام میں نازل ہوگا۔ مسیح کی محبت نے اسبات کی اجازت ہی نہیں دی کہ قرآن کھولکر ذرا غور تو کریں کہ کہیں قرآن مسیح کو مار تو نہیں رہا۔ بعد میں جو لوگ اٹھے انکو اتنی جرأت کہاں کہ اسلاف کے خلاف کوئی کلمہ منہ پر لائیں۔ اندھا دھند اسی عقیدہ کی تلقین کرتے آئے۔ کوئی کوئی ایسے نکلے جنہوں نے ذرا تکلیف کرکے قرآن اور احادیث صحیحہ پر نظر غائر ڈالی تو دیکھا کہ معاملہ تو کچھ اور ہے۔ عوام الناس کی مخالفت کی تاب ہوتی تو برملا کہا کہ عیسیٰؑ صاحب فوت ہو گئے ہیں ورنہ سینے میں ہی اپنی تحقیقات کو دبائے ہوئے اس جہان سے سدھار گئے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اپنے باپ دادا کے عقیدوں کو چھوڑنا عوام کیلئے نہایت مشکل ہوتا ہے۔ قرآن کھولکر دیکھئے شروع سے ہی عوام کی یہی آواز رہی کہ بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا مگر خدا نے بھی خوب جواب دیا کہ اولو کان اباؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون۔ ہمارا بھی یہی جواب ہے۔ مگر سننے والوں نے خدا کی نہیں سنی تو ہم کس حساب میں۔

عیسیٰ ابن مریم کا نام استعمال کرنیمیں حکمت

یہ مضمون نامکمل رہیگا اگر میں آخر میں وہ وجہ نہ بتاؤں جس سے نبی کریمؐ نے آنیوالے کو مسیح ابن مریم کے نام سے یاد کیا۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ آئندہ مبعوث ہونیوالے ماموروں کے نام جو کسی نبی کے ذریعہ بتائے جاتے ہیں وہ عام طور پر کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنیوالے ہوتے ہیں اسلیئے انکو ظاہر پر حمل کرنا درست نہیں ہوتا۔ عام طور پر انکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ آنیوالے اور اس نام کے درمیان کسی گہرے تعلق کو ظاہر کریں۔ مثلاً بنی اسرائیل کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ مسیحؑ کے ظہور سے پہلے ایلیا نبی کا نزول ہوگا جنکی نسبت عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ آسمان کیطرف اٹھائے گئے ہیں۔ یہود نے ایلیا نبی کے نزول سے یہ سمجھا کہ وہ ایلیا جو پہلا گذر چکا وہی بذات خود نازل ہوگا اور اسکے بعد مسیح آئیگا۔ اسلیئے جب عیسیٰؑ نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو یہود نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ مسیحؑ سے پہلے ایلیا نبی آسمان سے نازل ہوگا لیکن چونکہ ابھی تک ایلیا نہیں آیا اسلیئے عیسیٰؑ کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیا کہ ایلیا کی جو پیشگوئی کی گئی تھی اس سے خود ایلیا کا آنا مراد نہ تھا بلکہ وہ ایسے نبی کی خبر تھی جو ایلیا کی خو بو پر آئیگا اور وہ آچکا ہے اور وہ یحییٰ ہے۔ جسکی آنکھیں ہوں دیکھے۔ لیکن ظاہر پرست یہود

اسی بات پر جمے رہے کہ خود ایلیا کا دوبارہ آنا لکھا ہے اسلئے یحییٰؑ کا آنا اس کا آنا نہیں ہو سکتا اور اسطرح وہ نجات سے محروم ہو گئے اس مثال سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ پیشگوئیوں میں جو آیندہ مصلحوں کے نام بتائے جاتے ہیں انکو ہمیشہ ظاہر پر حمل کرنا سخت ہلاکت کی راہ ہے جس سے ہر مومن کو پرہیز لازم ہے۔ دیکھیئے کجا ایلیا نبی کا آنا اور کجا یحییٰ کا۔ مگر مسیحؑ یحییٰ کو ہی ایلیا قرار دے رہا ہے کیونکہ وہ ایلیا کی خو بو پر ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مسیحؑ نے ایک رسول کی آمد کی خبر دی تھی جس کا نام احمد ہوگا۔ اب ہمارے تمام مخالفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ پیشگوئی نبی کریمؐ کے آنیسے پوری ہو چکی ہے لیکن کیا نبی کریمؐ کا نام احمد تھا۔ یہ درست ہے کہ نبی کریمؐ نے نبوت کے دعویٰ کے بعد یہ فرمایا کہ میں احمد بھی ہوں لیکن دعوے کے بعد اس نام کو اپنی طرف منسوب کرنا مخالف پر کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔ مخالف پر تو تبھی حجت ہو جب یہ ثابت کیا جاوے کہ آپکے بزرگوں کی طرف سے آپکا یہ نام رکھا گیا تھا یا یہ کہ دعوے سے پہلے آپ کبھی اس نام سے پکارے گئے لیکن احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں اسلیئے سوائے اسکے اور کیا اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ آسمان پر آپکا نام احمد تھا جس طرح آسمان پر یحییٰ کا نام ایلیا تھا۔ ان دو مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پیشگوئیوں میں جو نام بتائے جاتے ہیں وہ لازماً ظاہر میں پائے جانے ضروری نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنیوالے ہوتے ہیں۔✽ اب سوال ہوتا ہے کہ آنیوالے مصلح کی متعلق مسیح ابن مریم وغیرہ نام استعمال کرنیمیں کونسی مخفی حکمت ہے؟ اسکے جواب میں کئی باتیں پیش کیجا سکتی ہیں مگر سب کا دیکھنا موجب طوالت ہوگا اسلیئے چند موٹی موٹی حکمتوں کے بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اول یہ کہ آنیوالا مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خو بو پر آنا تھا جس طرح ایلیا نبی کی خو بو پر یحییٰ نبی آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ شہزادہ تھے

✽ اسجگہ مجھے ایک لطیفہ سوجھا عرض کیئے دیتا ہوں بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کا نام جو نبی کریمؐ نے لیا تو اب یہ اسوقت تک اپنے اصل مفہوم میں سمجھا جائیگا جبتک کوئی صارف نہ ثابت کیا جاوے۔ اس کا اصل اور موٹا جواب تو یہی ہے کہ جب قرآن شریف صفائی کے ساتھ پہلے مسیح کو وفات یافتہ کہتا ہے اور مردوں کا زندہ ہو کر اس دنیا میں آجانا بھی اسلامی تعلیم کے رو سے ممتنع ہے تو پھر اس سے بڑھکر صارف کیا ہوگا۔ اس سے واضح تر قرینہ صارفہ تو خیال میں بھی نہیں آسکتا لیکن مجھے خیال آیا کہ صارف ہم سے کیوں پوچھا جاوے صارف بتانا تو غیر احمدیوں کا فرض ہے کیونکہ خدا کو تو حقیقت اشیاء سے تعلق ہے انکو ظاہری ناموں سے تعلق نہیں ہے۔ ہم بیشک عرف کی خاطر ظاہری ناموں کا لحاظ رکھتے ہیں مگر خدا اشیاء کی اصل حقیقت کو مد نظر رکھتا ہے اور اسکی نظر میں اصل نام صفتی نام ہی ہوتا ہے نہ کہ ظاہری نام۔ مثلاً ایک غلام رسول نامی مسلمان اگر عیسائی ہو جاوے تو گو ہم تو عرف کیوجہ سے اسی نام سے اسے پکارینگے مگر خدا کی نظر میں وہ اب بجائے غلام رسول کے عدو الرسول ہو چکا ہے اسلیئے خدا اسے عدو الرسول ہی کہیگا۔ اسلیئے خدا جب ابن مریم کا نام استعمال کرتا ہے تو وہ ظاہر اطور پر اس نام سے کوئی غرض نہیں رکھتا بلکہ گذشتہ ابن مریم کے حالات نے چونکہ ایک

انہوں نے تمام عمر صلح اور نرمی کے ساتھ اپنی رسالت کی تبلیغ کی اور اگر مخالفوں نے کبھی سختی بھی کی تو آپ نے صبر سے کام لیا اور مقابلہ نہیں کیا اسی طرح مسیح موعودؑ نے آنا تھا جیسا کہ نبی کریمؐ نے مسیح موعودؑ کے متعلق فرمایا یضع الحرب یعنی مسیح موعودؑ جب ظاہر ہوگا تو تلوار کے جہاد کو روک دیگا۔ دوسری حکمت اسمیں یہ تھی کہ جس طرح مسیحؑ ناصری موسوی سلسلہ کا خاتم الخلفاء تھا اسی طرح آنیوالا مسیحؑ نبی کریمؐ کا آخری خلیفہ ہوگا اور خاتم الخلفاء کہلائیگا مگر اس موقعہ پر آخری خلیفے سے آخری مستقل خلیفہ مراد ہے یعنی آئندہ جو خلیفے ہونگے وہ دراصل مسیح موعودؑ کے خلیفے ہونگے اور اسکی وساطت سے نبی کریمؐ کے بھی خلیفے ہونگے کیونکہ محمدی سلسلہ قیامت تک چلیگا۔ تیسری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں عیسائیت بہت زور پکڑیگی اور صلیبی مذہب بڑی غلبہ کیحالت میں ہوگا اسلیئے آنیوالے مصلح کا ایک بڑا کام یہ بھی رکھا گیا کہ یکسر الصلیب یعنی مسیح موعودؑ صلیبی مذہب کا زور توڑ دیگا اسمیں حکمت یہ ہے کہ جب کسی نبی کی اُمت میں فساد برپا ہوتا ہے تو بطور اخلاقی طور پر اس نبی کا فرض ہوتا ہے کہ اس فساد کو دُور کرے جس طرح کسی حکومت میں جو فساد ہو تو باہر کی حکومتوں کا فرض نہیں ہے کہ اس فساد کو دُور کریں بلکہ خود اسی حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے۔ اب آخری زمانہ کے لیئے یہ مقدر تھا کہ وہ سخت فساد کا زمانہ ہوگا اور تمام اُمتوں میں فساد برپا ہوجائیگا ایسے وقت کے لیئے ضرورت تھی کہ تمام اُمتوں کے بانیوں کے بروز ظاہر ہوتے جو اس کام کو کرتے لیکن اسلام کی آمد نے تمام بعد کا پانی اپنے اندر کھینچ لیا ہے اور اب کوئی مصلح اسلام کے سوا کسی اُمت میں ظاہر نہیں ہوسکتا اسلیئے تمام نبیوں کا بروز ایک وجود میں اسلام میں پیدا کیا جانا تھا۔ اس آنیوالے کا کام یہ رکھا گیا کہ تمام اُمتوں کی اصلاح کرے تو گویا اس موعود مصلح کا کام دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک خود اُمت محمدیہ کی اصلاح۔ دوسرے باقی اُمتوں کی اصلاح۔ لیکن چونکہ باقی اُمتوں کی اصلاح کے کام میں سب سے بڑا کام عیسیٰؑ کی اُمت کی اصلاح تھی جیسا کہ الفاظ یکسر الصلیب سے ظاہر ہے اسلیئے اس پہلو کے لحاظ سے آنیوالے کو خصوصیت کے ساتھ عیسیٰ ابن مریم کا خطاب دیا گیا اور دیگر اُمتوں کی اصلاح کے لحاظ سے صرف مجملاً واذا الرسل اقتت کے الفاظ استعمال کیئے گئے یعنی آخری زمانہ میں تمام رسولوں کے بروز جمع کیئے جاوینگے اسکے مقابل میں اُمت محمدیہ کی اصلاح کا کام بھی ایک خصوصیت کا کام تھا اسلیئے اس پہلو کے لحاظ سے آنیوالے کا نام مہدی رکھا گیا مطابق قول نبوی کے کہ

الخلفاء الراشدین المہدیین کیونکہ اس موعود نے مسلمانوں کی اصلاح کے کام میں نبی کریمؐ کا سب سے بڑا خلیفہ ہونا تھا۔ عیسیٰ بن مریمؑ کے نام میں اور بھی بعض حکمتیں ہیں مگر تسلی کے لیے اسی قدر کافی ہیں ❊

خاتمہ

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے ناظرین کرام کے سینوں کو فراخ کرے تا وہ اپنی غلطی کے اعتراف کرنے میں ضد سے نہ کام لیں بلکہ حق کھل جانے پر اسے فوراً قبول کر لینے کو تیار ہوں۔ میں تو جب اس مسئلہ پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے حیرت ہو جاتا ہوں کہ ایسا بودہ مسئلہ کس طرح مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہو گیا مگر اب وقت ہے کہ ایسی باتوں سے اسلام کا دامن پاک کیا جاوے جو صریح اسلامی تعلیم کے خلاف ہونیکے علاوہ نبی کریمؐ کی سخت ہتک کا موجب ہو رہی ہیں۔ خدا مسلمانوں کی آنکھوں کو کھولے تا وہ دیکھیں کہ ان غلط اور فاسد عقائد سے اسلام کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ صرف ہندوستان میں پچھلے چند سالوں میں لاکھوں کلمہ گو مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کا گناہ مولویوں کی گردن پر ہے۔ عیسائی مشنری بھولی بھالی صورت بنا کر مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور بڑی نرمی سے کہتے ہیں کہ دیکھو تمہارے نبی تو مر گئے اور مدینہ میں زیر خاک مدفون ہیں لیکن مسیحؑ دو ہزار سال

❊ ہم نے لکھا ہے کہ مہدی اور مسیح ایک شخص کے ہی دو نام ہیں۔ اس پر طبعاً ناظرین کو خیال پیدا ہوگا کہ ہم تو ان دونوں کو دو مختلف وجود سنتے اور سمجھتے چلے آئے ہیں یہ ایک کس طرح ہو سکتے ہیں۔ سو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ آخری زمانہ کے موعود کو دو مختلف حیثیتوں کی وجہ سے یہ دو مختلف نام دیئے گئے ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ دو مختلف شخص ظاہر ہونگے۔ اسلام دو خلیفوں کا ایک وقت میں قائل نہیں بلکہ نبی کریم صلعم نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اسوقت خلافت کا دعویٰ کرے جب پہلے ایک خلیفہ برحق موجود ہو تو اس کا سر اڑا دو ایسے حالات کے ماتحت یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں مسلمانوں کے اندر ایک ہی وقت میں دو خلیفے ہوں گے۔ اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنیوالے کو دو مختلف کاموں اور حیثیتوں کی وجہ سے دو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے مگر مسلمانوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ دو مختلف وجود ظاہر ہونگے۔ نبی کریمؐ نے تو اس خیال سے کہ مسلمان مہدی اور مسیحؑ کو الگ الگ نہ سمجھنے لگ جائیں یہاں تک احتیاط فرمائی کہ فرمایا لا المھدی الا عیسیٰ (ابن ماجہ و حاکم) یعنی عیسیٰؑ کے سوا کوئی مہدی موعود نہیں۔ مگر افسوس مسلمان باوجود اسکے ٹھوکر کھانے سے نہ بچے ۔ منہ

ہے ابتک نہ صرف زندہ بلکہ آسمان پر خدا کے پاس بیٹھا ہے بتاؤ کون افضل ہوا۔ مسلمانوں کے لیئے مسیحؑ کی وفات کا کلمہ تو منہ پر لانا کفر ہوا۔ کیا جادو بی زبان سے یہی قبول کر لیتے ہیں کہ مسیحؑ ہی افضل ہے۔ اس کے بعد پادری صاحب کہتے ہیں کہ دیکھو آخری زمانہ میں جب اُمّت محمدیہ میں فساد اور گمراہی پھیلے گی تو اسکی اصلاح کے لیئے خدا مسیحؑ کو آسمان پر سے بھیجے گا۔ معلوم ہوتا ہے وہ کوئی ایسا فساد ہوگا کہ اسکی اصلاح نبی اسلام کی طاقت سے بالا ہوگی ورنہ خدا نے اگر کسی کو زندہ رکھکر ہی آخری زمانہ میں اُمّت محمدیہ کی اصلاح کروانی تھی تو خود محمدؐ صاحب کو زندہ رکھا جاتا مگر اس اہم کام کیلیئے بجائے نبی اسلام کے مسیحؑ کو زندہ رکھا گیا ۔

یہاں تک تو مسیحؑ کی افضلیت منوائی جاتی ہے۔ اسکے بعد اگلا قدم اُٹھایا جاتا ہے پادری صاحب نہایت سادگی سے بولتے ہیں کہ محمدؐ صاحب سے جب انکے مخالفوں نے آسمانپر جانیکا معجزہ طلب کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا میں تو ایک انسان ہوں اور انسان کا آسمانپر جانا ممتنع ہے مگر دیکھو مسیحؑ زندہ آسمان پر جا پہنچا۔ ان باتوں کا جواب کون دے۔ عوام مولویوں کے پاس جائیں تو انکے ایمانوں کی بودی چٹانوں پر پہلے سے ہی ان باتوں سے زلزلہ ڈال رکھا ہوتا ہے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹال دیتے ہیں۔ یہ بیچارے جب مولویوں کی طرف سے تسلّی بخش جواب نہیں پاتے چار و ناچار گرجا کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ آہ افسوس وہ مذہب جو کسی زمانہ میں یدخلون فی دین اللہ افواجا کا مصداق تھا آج یخرجون من دین اللہ افواجا کا تماشہ گاہ بن رہا ہے۔ کیا کوئی مسلمان کہلانیوالا انسان ہے جسکے دل میں یہ باتیں درد پیدا کریں۔ آہ بہت تھوڑے ہیں جو صحت نیت کے ساتھ ان مسائل پر غور کرتے ہیں ورنہ معاملہ تو بالکل صاف ہے جسکی آمد ثانی کا انتظار کیا جا رہا ہے خود وہ پکار پکار کر اپنی دوسری آمد کے معنوں کو بیان کر رہا ہے کیونکہ ایلیا جسکی نسبت خیال تھا کہ مسیحؑ سے پہلے آسمان سے اُتریگا اُسکی آمد ثانی کو مسیحؑ نے اسکے کسی مثیل کی آمد قرار دیا (متی باب ۱۱ آیت ۱۳ و ۱۴)

تعجب ہے باوجود ایک کھلی نظیر سامنے ہونیکے پھر مسلمان اس مسئلہ میں ٹھوکر کھا رہے ہیں۔ جس طرح

مسیح کی نسبت کہا گیا کہ وہ آخری دنوں میں نازل ہوگا اس سے بڑھکر وضاحت کے ساتھ
ایلیا کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ مسیح سے پہلے نازل ہوگا لیکن حیرت کا مقام ہے کہ ایلیا کے
وعدہ کو مثیل کے ذریعہ پورا شدہ مان لیا جاتا ہے لیکن مسیح کو بذاتِ خود اُتارا جاتا ہے
افسوس جس جگہ یہود نے ٹھوکر کھائی اسی جگہ مسلمانوں نے ٹھوکر کھائی مگر یہود اسی گرفت
کے نیچے نہیں ہیں جتنے مسلمان ہیں کیونکہ یہود کے لیے کوئی نظیر موجود نہ تھی لیکن
مسلمانوں کے لیے تو اسی قسم کے وعدہ کی نظیر موجود ہے اور وہ دیکھ چکے ہیں کہ کسی گذشتہ
نبی کے آنے سے اسکے مثیل کا آنا مراد ہوتا ہے نہ کہ خود اسی کا۔ آہ۔ سچ فرمایا تھا نبی کریمؐ نے
کہ میری اُمت کے لوگ یہود کے قدم بقدم چلیں گے یعنی جس طرح یہود نے ایک گذشتہ نبی کی آمد
کے وعدہ کو خود اسی نبی کی آمد سمجھ لیا تھا اسی طرح میری اُمت کے لوگ کرینگے لیکن مسلمانوں
نے اس تنبیہ سے فائدہ نہ اُٹھایا اور صرف اسوجہ سے آنیوالے کا انکار کر دیا کہ مسیح ناصری نے
خود بنفس نفیس آنا تھا۔ حالانکہ مسیح ناصری کے آنے میں نہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ہی سخت ہتک ہے جیسا کہ بیان ہوا بلکہ خود مسیحؑ کی ہتک ہے کیونکہ مسیح ناصری خواہ نبی کریمؐ سے
درجہ میں کتنا بھی چھوٹا ہو پھر بھی وہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول تھا جس نے نبوت کا مقام
نبی کریمؐ کی اتباع کی وجہ سے نہیں پایا بلکہ براہِ راست اسے خدا کی طرف سے یہ انعام ملا۔ اب
اسکو دوبارہ اُتارنے کے یہ معنی ہیں کہ اسے نعوذ باللہ نبوت کے مقام سے معزول کر دیا
جاوے اور صرف ایک اُمتی کی حیثیت دیجاوے کیونکہ اگر وہ دوبارہ نازل ہو کر بھی نبی
ہی رہیگا تو یہ ختم نبوت کے منافی ہے۔ نبی کریمؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا خواہ نیا
ہو اور خواہ پُرانا جس نے نبوت کا مقام براہِ راست بغیر کامل اتباع نبی کریمؐ کے پایا ہو۔
آپکے بعد صرف ایسی نبوت کا دروازہ کھلا ہے جسے ظلّی نبوت کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں
یعنی ایسی نبوت جو نبی کریمؐ کی نبوت کا ظل ہے نہ کہ مستقل۔ پس اس صورت میں جب کہ
آیت خاتم النبیین نبوت مستقلہ کے دروازے کو بڑی زور سے بند کر رہی ہے تو مسیح ناصری کا
اُترنا صرف ایسی صورت میں ہی ہو سکتا کہ اسے نعوذ باللہ نبوت کے مقام سے ہٹا کر صرف ایک
اُمتی کی حیثیت دیجاوے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی صریح سنت کے خلاف ہے جو اس نے ان الفاظ میں

بیان کی کہ ذالک بان اللہ لم یک مغیراً نعمۃ انعمہا علیٰ قوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم (انفال) یعنی اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی انعام ہرگز نہیں چھینتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل لے تو اب اس صریح اور واضح آیت کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح مان لیا جاوے کہ مسیح ناصری بذات خود آخری دنوں میں نازل ہوگا کیونکہ اس کے نازل ہونیکے یہ معنی ہیں کہ اس سے نعوذ باللہ خواہ مخواہ نبوت کا مقام چھین لیا جادیگا۔ پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسیح ناصری کے متعلق فرماتا ہے رسولا الیٰ بنی اسرائیل یعنی مسیح رسول تھا بنی اسرائیل کی طرف۔ اب اگر وہی مسیح نازل ہو تو اسکی بعثت بجائے صرف بنی اسرائیل کے ساری دنیا کے لیئے ماننی پڑے گی مگر یہ مندرجہ بالا آیت کے صریح خلاف ہے پس اب جسے قرآنی آیات کے منسوخ اور باطل ثابت کرنے کی خواہش اور جرأت ہو وہ بیشک مسیح ناصری کا منتظر رہے ہم تو اس خدا سے ڈرتے ہیں جس نے یہود پر بوجہ کلام الٰہی میں دست اندازی کرنے کے لعنت کی۔ خدا شاہد ہے کہ ہمارا دل کس طرح اس بات کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا ہے کہ مسلمان ایک ایسے عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں جو خلاف سُنّت ہونیکے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح ناصری دونوں کی سخت ہتک کا موجب ہے۔ مگر وقت آتا ہے جب مسلمان اپنی غلطی کو محسوس کرینگے اور مسیح کی آمد کے لیئے بجائے آسمان کی طرف دیکھنے کے اپنے پیچھے نظر ڈالیں گے۔ اُسوقت خدا کے سچے مسیح کا قول پورا ہوگا کہ ؎

امروز قوم من نشاسد مقام من ٭ روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں:۔

"اے تمام لوگو سن رکھو کہ یہ اُس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر انکو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا اور ہر ایک کو جو اسکے معدوم کرنیکا فکر رکھتا ہے نامراد رکھیگا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا یہانتک کہ قیامت آجائیگی۔ اگر اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان کیونکہ کوئی نبی نہیں جس سے

ٹھٹھا نہیں کیا گیا پس ضرور تھا کہ مسیح موعودؑ سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔

پس خدا کی طرف سے یہ نشانی ہے کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے مگر ایسا آدمی جو تمام لوگوں کے روبرو آسمان سے اترے اور فرشتے بھی اُسکے ساتھ ہوں اُس سے کون ٹھٹھا کرے گا۔ پس اس دلیل سے بھی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مسیح موعودؑ کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُتریگا ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں وہ تمام مرینگے اور کوئی اُنمیں سے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھیگا اور پھر انکی اولاد جو باقی رہیگی وہ بھی مرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰؑ بن مریمؑ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھیگا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا اُنکے دلوں میں گھبراہٹ ڈالیگا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰؑ اب تک آسمان سے نہ اُترا تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہوجائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰؑ کے انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہوکر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑینگے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخمریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھیگا اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اُس کو روک سکے۔"

خاکسار

مرزا بشیر احمد از قادیان

۱۵۔جون ۱۹۱۷ء

قاعدہ سنسکرت ۰؍ قصائد احمدیہ ۶؍ قصہ قارون ۔؍ کشف الغطاء ۲؍ قاعدہ یسرنا القرآن
حصہ اول ۵؍ قاعدہ یسرنا القرآن مکمل ۳؍ قاعدہ یسرنا القرآن حصہ سوم اردو ۱؍
قاعدہ تو ابلی ۱؍ لغات القرآن حصہ اول عہ؍ لغات القرآن حصہ دوم عہ؍ لیکچر لاہور ۱؍ لیکچر سیالکوٹ ۱؍
مبادی الصرف ۱۰؍ مواہب الرحمٰن ۴؍ متن اربعین ۵؍ مسک العارف ۱؍ مکتوبات محمدیہ ۴؍
مسلمانوں کا خدا اور اسکے حضور دعا ۲؍ مجموعہ آمین ۵؍ مباحثہ رامپور ۲؍ مکتوبات احمدیہ ۴؍
نزول المسیح ۴؍ نسیم دعوت ۳؍ ہدیہ ثاقب ۲؍ نور القرآن حصہ اول ۱؍ پارہ چہارم بلا ترجمہ
بطرز یسرنا القرآن ۱؍ پارہ پنجم بلا ترجمہ بطرز یسرنا القرآن ۱؍ پارہ ششم بلا ترجمہ بطرز
یسرنا القرآن ۱؍ پارہ ہفتم بلا ترجمہ بطرز یسرنا القرآن ۱؍ برہان الصریح فی تائید المسیح ۲؍
مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ۵؍ قصص عہ؍ ÷ **تازہ تصنیف از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ**
منصبِ خلافت ۱؍ تحفۃ الملوک معمولی کاغذ پر ۱۲؍ تحفۃ الملوک خاص اور عمدہ کاغذ عہ؍
برکاتِ خلافت ۴؍ اسلام اور دیگر مذاہب اردو ۳؍ اسلام اور دیگر مذاہب انگریزی ۶؍ ÷

ضرورت

دفتر میگزین کیلئے جنوری سنہ ۱۹۱۶ء کے انگریزی پرچہ کی ضرورت ہے۔ کسی دوست کے پاس جسقدر کاپیاں ہوں۔ وہ عطا فرما دیں اور چاہیں تو انکے عوض ریویو کے جس پرچہ یا کتاب کی ضرورت ہو وہ لے لیں۔ یا قیمت لے سکتے ہیں ÷ مینجر میگزین قادیان

ڈاکٹری ہدایت

نوبتی بخار۔ سخت زکام اور ہلکی قسم کی طاعون کے لیئے باٹلی والا کا ایگٹو کیور۔ بڑی بوتل بخار کی گولیاں قیمت عہ؍ باٹلی والا کا بلمزت۔ بچوں اور کمزور اشخاص کیلئے مقوی ہے قیمت عہ؍ باٹلی والا کی اصلی کونین کی ٹکیاں ایک اور دو گرین کی گولیوں کی بوتل باٹلی والا کا ایگٹو کیور چھوٹی قیمت ۸؍ کالرا پل ہیضہ دستوں اور قے کے واسطے قیمت عہ؍ دانتوں کا منجن قیمت ۴؍ مقوی گولیاں زرد رنگ اور کمزور اعصاب کے لیئے قیمت عہ؍ داد کا مرہم۔ داد اور خارش کیلیئے قیمت ۴؍ یہ ادویہ ہندوستان میں سب جگہ فروخت ہوتی ہیں۔ نیز ڈاکٹر ایچ۔ ایل۔ باٹلی والا اینڈ سنز ورلی کلو لینڈ مل بمبئی سے مل سکتی ہیں ÷

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۰۲۷

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

Digitized by Khilafat Library

سوائے اور سب بیماریوں کے اس سے ڈرنیکا سبب یہ ہے کہ آجتک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجۂ ظلم سے ہلاک ہو چکے ہیں گاؤں کے گاؤں اجاڑ ہو گئے شہر کے شہر تباہ ہوئے اسوجہ سے اسکے نام سے ہی دہشت ہوتی ہے پلیگ میں مبتلا ہونیکے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے لیکن بنظر حفظ ماتقدم ڈاکٹر ایس کے برمن کی پلیگ روکنے والی گولیاں منگوا کر ضرور رکھیں ان گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے نہ ٹھہر سکیں اور نہ انکا زہر اثر کر سکتا ہے وقت پر ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں آپ بھی غافل نہ رہیں ایک گولی روزانہ ٹھنڈے پانی سے نگل جانا چاہیئے۔ بچوں کو نصف یا چوتھائی قیمت ۳۶ گولیوں کی ڈبیہ ۸ ؍ ساٹھ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲ ؍ محصولڈاک ایک سے ۶ ڈبیہ تک ۵ ؍

دوائیوں کے تیل

مذکورہ ذیل دوائیوں کے تیل دو تین بوند پاؤ آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں اور کڑوی دوا پینے کی تکلیف سے بھی بچتے ہیں اور آسانی سے پی سکتے ہیں :-

(۱) روغن صندل - سوزاک کے لیئے نہایت درجہ مفید ہے قیمت ۶ ؍ محصولڈاک ایک سے چار شیشی تک ۵ ؍

(۲) اجوائن کا تیل قے بدہضمی کیلئے ایک ہی دوا ہے " ۶ ؍ " " ۵ ؍

(۳) روغن سونٹھ - یہ بھوک بڑھاتا اور ریاح کو خارج کرتا ہے " ۸ ؍ " " ۵ ؍

(۴) روغن دال چینی - یہ دال چینی کے ٹائم چھلکوں سے بنا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے قیمت ۶ ؍ " ۵ ؍

(۵) روغن سونف - پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کیلئے مفید ثابت ہوا ہے " ۴ ؍ " " ۵ ؍

(۶) روغن لونگ - متلی اور ریاح کو رفع کرتی ہے اور درد شکم اور بدہضمی کو مفید ہے " ۴ ؍ " " ۵ ؍

(۷) روغن لیمو - ہرے گویا ابھی درخت سے توڑے ہوئے لیمو کا خوشبو دیتا ہے " ۴ ؍ " " ۵ ؍

(۸) روغن پپرمنٹ - پیٹ کے درد و بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ مشہور دوا ہے قیمت ۴ ؍ " " ۵ ؍

(۹) روغن الائچی - متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے " ۶ ؍ " " ۵ ؍

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

باہتمام بھائی بہادر سنگھ مینیجر و پروپرائٹر وزیر ہند پریس امرتسر میں شیخ محمد نصیب پبلشر ریویو آف ریلیجنز قادیان کیلئے